جوش ملیح آبادی
کے
مرثیے
ضمیر اختر نقوی

رثائی ادب کی تاریخ و تحقیق میں پاکستان کے جواں سال ادیب اور خطیب ضمیر اختر نے ادھر جو کام کیا ہے وہ قابل توجہ اور لائق تحسین ہے انھوں نے قدیم و جدید مرثیہ نگاروں پر یکساں محنت کی ہے اور خدائے سخن میر انیس سے لے کر شاعر انقلاب جوش تک اپنے قلم کی جولانیاں دکھائی ہیں۔ ضمیر اختر کی یہ کتاب جوش پر کئے ہوئے بہت سے اعتراضات کا جواب لاجواب ہے اور اس امر کا ثبوت ہے کہ دنیا میں پھنسے ہوئے شاعر کو بھی اسلامی روایات سے تصوّراتی وابستگی دلدلوں سے نکال کر روحانی اقدار کے ادراک کی منزلوں تک پہونچا دیتی ہے۔

———— ڈاکٹر سبط حسن رضوی

جوش کے مرثیے اردو ادب میں نئی شاہراہ کی سمت معین کرتے ہیں ان مرثیوں نے اپنے اپنے زمان و مکان میں شعراء کے شعور و لاشعور کو زبان دی ہے جوش کے ہنگ دار لہجوں کی صدائے بازگشت دوسرے مرثیوں میں کبھی گونج اور کبھی دھیمے انداز میں سُنی گئی ہے۔ ضمیر اختر نقوی نے مرثیوں کے ساتھ رباعیات و سلام کو یکجا کر کے ایک روایت کا پورا بستہ تیار کر دیا ہے۔ ضمیر اختر نقوی کلاسیکی مرثیے کے دلدادہ اور محقق ہیں۔ انیس و دبیر پر ان کی عرق ریزی کے جوہر محققین ادب سے داد و ستائش حاصل کر چکے ہیں اور اب جدید مرثیے کے عظیم شاعر جوش کے مرثیوں پر تحقیقی کتاب مرتب کر کے ضمیر اختر نقوی نے جدید مرثیے پر پی ایچ ڈی کرنے والے اسکالرس کے لئے نئی راہیں معین کر دی ہیں۔ ———— مولانا مرتضیٰ حسین فاضل

معاصر شعراء بالعموم تحقیق کے دائرے میں نہیں آتے گرچہ بعض تحقیقی امور ایسے ہوتے ہیں جو شاعر کی حیات میں ہی طے ہو سکتے ہیں مگر خود شعراء کی تحقیق جس انکی تخلیق جس کے برابر نہیں ہوتی اور بہت قیمتی معلومات اور سرمایہ پردۂ خفا میں چلے جاتے ہیں جناب ضمیر اختر نقوی اردو ادب کے محققین میں بہت نمایاں ہیں۔ انھوں نے جس جانفشانی کے ساتھ حضرت جوش ملیح آبادی کے مرثیے یکجا کئے ہیں اور جس انداز سے مسودات کی صحت پر توجہ دی ہے وہ فی زمانہ خود شاعر موصوف کے دائرۂ اثر سے باہر تھا۔ حضرت جوش ملیح آبادی کے بارے میں یہ فقرہ زبان زد خاص و عام ہے کہ وہ الفاظ کے بادشاہ ہیں مگر آج تک انکے کسی مجموعے میں نہ ان پر شائع ہونیوالے رسالوں کے خاص شماروں میں انکے استعمال کردہ الفاظ کی کوئی فرہنگ شامل نہیں ہوئی تھی معیاری مقدمے اور ترتیب کے ساتھ ساتھ جناب ضمیر اختر نقوی نے فرہنگ مراثی جوش ترتیب دیکر ایک انتہائی اہم تحقیقی اور یادگار کارنامہ پیش کیا ہے۔ ———— پروفیسر محمد رضا کاظمی

اشاعت :- ۱۹۸۰ء ، طبع ثانی ۱۹۸۱ء

طباعت :- عالمگیر پیکجز - ناظم آباد ۲ ، کراچی ، فون نمبر ۶۱۲۵۶۷

کتابت :- ناصر حسین

سرورق :- ناصر حسین

قیمت :- ۲۵ روپے

ملنے کے پتے

۴ - ایچ رضویہ سوسائٹی کراچی نمبر ۱۸

محفوظ بک ایجنسی

امام بارگاہ شاہِ نجف کراچی ۵

ادارۂ فیضِ ادب ۵۰ - سی ۵/۱ ناظم آباد کراچی۔

فون نمبر ۶۱۳۴۰۷

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

جوشؔ ملیح آبادی کے مرثیے

ترتیب ، مقدمہ ، فرہنگ

ضمیر اختر نقوی

ادارۂ فیضِ ادب، ۵۔سی ۵/۱۱ ناظم آباد کراچی
فون نمبر ۶۱۳۴۰۷

ضمیر اختر نقوی کی دوسری کتابیں

۱ ــــــ تاریخ مرثیہ نگاری
۲ ــــــ میر انیس، زندگی اور شاعری

۳ ــــــ خاندانِ انیس کے عظیم مرثیہ نگار
۴ ــــــ شعرائے اردو اور عشقِ علیؑ

۵ ــــــ اردو مرثیہ پاکستان میں
۶ ــــــ دبستانِ ناسخ

۷ ــــــ تذکرۂ شعرائے لکھنؤ
۸ ــــــ اقبال کا فلسفۂ عشق

۹ ــــــ شعرائے اُردو کی ہندی شاعری
۱۰ ــــــ ابنِ صفی کی ناول نگاری

ضمیر اختر نقوی اور جوش ملیح آبادی

حضرتِ نقوی، خط ملا، شکریہ قبول کیجیے۔

اپنی مرثیہ گوئی پر آپ کا مقطع پڑھا، داد اس لیے نہیں دوں گا کہ اس میں میری تعریف کی گئی ہے۔

آپ میرے مراثی کے متعلق ضرور کتاب چھپوائیے، میری جانب سے اجازت ہے۔
اگر اللہ کا سا بد مزاج ہوتا۔ تو آپ کی زبان سے اپنی مدح سن کر آپ کا دامن کرم موتیوں سے بھر دیتا۔

مخلص
جوش

(۵۱ سی) ایف ۶/۳ - اسٹریٹ (۲۶)
اسلام آباد
۱۳/۲/۷۸
صبح پونے چھ بجے۔

جوش ملیح آبادی کا خط ضمیر اختر نقوی کے نام

جوش ملیح آبادی مرثیہ "موجد و مفکر" پیش کر رہے ہیں

انتساب

لکھنؤ کے گوشہ نشین ادیب اور محقق

سیّد محمّد رشید

برِ صغیر کے ممتاز محقق، ادیب اور نقّاد

ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری

صدر شعبۂ اُردو

اے۔ ایس گورنمنٹ کالج سری نگر کشمیر۔

کے نام

منظور ہے خُدا کو تو پہونچونگا روزِ حشر
چہرہ پہ خاک مَل کے درِ بوترابؑ کی

(جوشؔ)

ترتیب

پیش لفظ

جوشؔ ملیح آبادی بیسویں صدی کے شاعر اعظم ہیں، جوشؔ کی شاعری کو نصف صدی سے زائد عرصہ گزر چکا ہے لیکن آج بھی شعر و ادب کی قلمرو میں ان کی حکومت ہے اردو زبان کو اس بات پر فخر ہے کہ حریت کا جو پرچم جوشؔ نے سر بلند کیا تھا وہ پرچم ان کے ہاتھوں آج بھی سر بلند ہے اور بادِ مخالف کے سامنے پوری تمکنت سے لہرا رہا ہے۔

جوشؔ کی عظمتوں کے پیش نظر انھیں شاعر شباب، مصورِ شباب، شاعر انقلاب اور شاعر اعظم جیسے خطابات سے نوازا گیا، حکومتِ ہند نے "پدم بھوشن" کا ادبی اعزاز عطا کیا ہندوستان میں جوشؔ کو جو عزت و بزرگی حاصل تھی وہ آج بھی برقرار ہے۔ ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں میں جوشؔ پر پی ایچ ڈی کے لئے مقالات لکھے جا رہے ہیں چند اسکالرز کے عنوانات ملاحظہ ہوں:۔

"جوشؔ ملیح آبادی بحیثیت شاعر"	پروین عالم	پٹنہ یونیورسٹی پٹنہ بھارت
"جوشؔ ملیح آبادی کی شخصیت"	محمد عصمت خاں	لکھنؤ یونیورسٹی لکھنؤ بھارت
"اردو شاعری میں جوشؔ کی خدمات"	محمد اسمٰعیل حسن خاں	علی گڑھ یونیورسٹی بھارت

پاکستان کے تعلیمی اداروں کی پستی کا حال ڈھکا چھپا نہیں، اساتذہ اور طلبا جہالت کی ایک ہی صف میں کھڑے ہیں۔ ظاہر ہے شعبہ اردو جب میر تقی میرؔ، نظیر اکبر آبادی،

غالب اور میرانیس ہی کو نہیں پہچانتے تو کیا امید ہو سکتی ہے کہ اب یا آئندہ جوش پر کوئی تحقیقی کام ہو سکے گا۔ ہندوستانی اسکالرس قابلِ مبارک باد ہیں کہ انھوں نے جوش کے مرتبے کو دیکھتے ہوئے اور سمجھتے ہوئے ان پر توجہ دی ہے۔

ہمارے شعر و ادب کے ممتاز شعرا نے اصنافِ شاعری کی ہر صنف کو اپنایا اور پروان چڑھایا لیکن بعض شاعروں کا ذخیرہ کسی نہ کسی وجہ سے ضائع ہو گیا اور خاص طور سے مرثیے کے ذخیروں کی طرف بہت کم توجہ دی گئی اگر صرف جوش کے عہد پر نظر ڈالیں تو ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں مثلاً صفی لکھنوی غزل اور نظم کے بڑے شاعر تھے لیکن انھوں نے بہت سے مرثیے بھی تصنیف کئے تھے لیکن آج ان کا ایک بھی مرثیہ دستیاب نہیں ہوتا اسی طرح آرزو لکھنوی کے مرثیے چھپے لیکن زیادہ تر مراثی اور سلام غیر مطبوعہ ہیں۔ مرزا رسوا کی حیثیت ناول نگار بہت مشہور ہیں لیکن وہ اچھے شاعر اور مرثیہ گو بھی تھے ہندو پاک میں اب تک دو تحقیقی مقالے ان پر لکھے گئے ہیں لیکن ان میں رسوا کی مرثیہ گوئی کا کہیں ذکر نہیں ان کے مرثیے اب تک منظرِ عام پر نہ آسکے۔ رسوا پر تیسرا تحقیقی مقالہ آدم شیخ بمبئی یونیورسٹی سے تصنیف کر رہے ہیں انھیں رسوا کے غیر مطبوعہ مرثیوں کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔

حال ہی میں ہندوستان سے مختلف شعرا کی حیات اور شاعری پر کتابیں شائع ہوئی ہیں جن میں جوش کے ہم عصر شعرا میں مانی جائسی جعفر علی خاں اثر وغیرہ پر بھی بعض کتابیں دیکھیں لیکن دونوں شاعروں کی خدماتِ ادب کے سلسلے میں مرثیہ گوئی کا ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ جعفر علی خاں اثر اور مانی جائسی دونوں نے مرثیے تصنیف کئے ہیں۔

انھیں ادبی حادثات کے پیشِ نظر مجھے احساس ہوا کہ جوش کے تذکروں سے ان کی مرثیہ گوئی کا ذکر بھی معدوم ہوتا جائے گا اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ جوش کے مرثیے تلاش و جستجو کے بعد بھی دستیاب نہ ہو سکیں گے اس لئے کہ دو تین مرثیے تو ان کے شائع ہو گئے ورنہ تمام مرثیے غیر مطبوعہ ہیں اور ایک اطلاع کے مطابق خود جوش کے پاس بھی

ن کے مسودے موجود نہیں ہیں۔ ۱۹۷۶ء میں ہندوستان گیا تو لکھنؤ کے دورانِ قیام ایم علی جونپوری صاحب نے خواہش ظاہر کی کہ جوشؔ ملیح آبادی کے مرثیوں پر ایک کتاب ترتیب دے کر مجھے روانہ کر دیجئے تاکہ میں یہاں شائع کر دوں۔ ہندوستان سے واپسی پر میں نے یہ کام ہفتے عشرے میں مکمل کر لیا لیکن بعض مرثیوں کی تلاش میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ زیادہ تر مرثیے "ٹیپ" کی شکل میں ملے۔ "ٹیپ" سے لکھنا مشکل ترین کام ہے اور وقت کی بھی ضرورت ہے بہرحال "ٹیپ" تلاش کے بعد مل گئے۔ جوشؔ کا آخری مرثیہ "... " کا ٹیپ میرے ایک دوست انیس عباس صاحب کے پاس موجود تھا بہرحال ایک رات ہم لوگ لکھنے کے لئے بیٹھ گئے، اور صبح تک یہ کام مکمل ہو گیا لیکن دقت یہ ہوئی کہ اس مرثیے میں واہ واہ کے شور میں بعض الفاظ بالکل سمجھ میں نہیں آئے اس لئے بار بار سننے کی ضرورت تھی اس کام میں میرے دوست مولانا طالب جوہری صاحب نے ... وہ بھی اس مجلس میں موجود تھے جس میں یہ مرثیہ پڑھا گیا تھا انھوں نے بار بار ٹیپ سن کر ان الفاظ کو نوٹ کیا جو لکھنے سے رہ گئے تھے میرے ایک اور دوست ہلالؔ نقوی نے جوشؔ کا مرثیہ بعنوان "عظمتِ انسان" عنایت کیا۔ کچھ مرثیے میرے پاس موجود تھے۔ مطبوعہ دو مرثیے جو "شعلہ و شبنم" اور "آیات و نغمات" میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہ دونوں مجموعے اشاعتِ اوّل کے مجھے چاہیئے تھے جو پروفیسر محمد رضا کاظمی سے دستیاب ہو گئے اس سلسلے میں مولانا طالب جوہری صاحب، پروفیسر محمد رضا کاظمی، ہلالؔ نقوی اور انیس عباس کا میں شکرگزار ہوں کہ انھوں نے ہم سے ادبی تعاون کیا۔

اس تلاش و جستجو کے بعد بھی میں مرثیہ بعنوان "آگ" تلاش نہ کر سکا۔ چند بند جو مطبوعہ ہیں وہی شامل کتاب ہیں۔ کتاب جب مکمل شکل میں طباعت کے لئے جا رہی تھی تو پتہ چلا کہ جوشؔ نے ایک اور مرثیہ "عظمتِ خاک" کے عنوان سے کہا تھا میں نے تلاش شروع کی لیکن اب تک کامیابی حاصل نہ کر سکا ہاں میرے دوست انیس عباس نے

اپنے حافظے سے چند بند اور بیتیں سنائی ہیں جو یہاں درج کی جا رہی ہیں۔ ایس عباس کا کہنا ہے کہ اس مرثیے کا مطلع یہ ہے :-

اے قلم ہاں پیچ و تاب ارتقا پر اک نظر
شاعری کا حسن برسا علم کے رخسار پر

اسی مرثیے کا ایک اور بند انھوں نے سنایا :-

بہر فخر مشرقین و بہر ناز مغربین
اس زمیں کا یہ مقدر تھا کہ با صد زیب و زین
اسکو، وج آسمان پائے بغیر آئے نہ چین
خاک صدیوں کر ڈمیں لے کہ بنے اک دن حسینؑ
دوش پر گلگوں کفن ہو سر پہ زریں تاج ہو
تاکہ حاصل خاک کو بار دگر معراج ہو

دو بیتیں اور دیکھئے :-

پا بہ گِل رہتی ہے تو بکھراج بن جاتی ہے خاک
اور اڑ کر صاحب معراج بن جاتی ہے خاک

آتشِ مغرور بے عنوان بن کر رہ گئی
خاک سے ٹکرائی تو شیطان بن کر رہ گئی

اس کتاب میں جوشؔ کی دو مشہور نظمیں " ذاکر سے خطاب " اور " سوگوارانِ حسینؑ سے خطاب " شامل نہیں کی گئی ہیں اس لئے کہ ان نظموں کو مرثیہ نہیں کہا جا سکتا، ہاں " طلوعِ فکر " شامل ہے اس لئے کہ وہ نظم کسی حد تک مرثیے کے دائرے میں آتی ہے۔

اس کتاب میں جوشؔ کی مرثیہ نگاری پر جو مقالہ شامل ہے وہ میں نے اسی کتاب کے لئے لکھا تھا لیکن پندرہ روزہ " ارشاد " کے مدیر مولانا جواد الاصغر صاحب کی خواہش

پر خصوصی ایڈیشن میں چھپنے کے لئے دے دیا گیا تھا جو ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا تھا۔ جوشؔ نے اس مقالے کو پڑھ کر مجھے خط لکھا۔ اس خط میں مرثیوں کی اشاعت کے سلسلے میں اجازت بھی موجود ہے۔ جوشؔ صاحب لکھتے ہیں:-

"حضرت نقوی، خط ملا، شکریہ قبول کیجئے۔ اپنی مرثیہ گوئی پر آپ کا مضمون پڑھا، داد اس لئے نہیں دوں گا کہ اس میں میری تعریف کی گئی ہے۔ آپ میرے مراثی کے متعلق ضرور کتاب چھپوائیں، میری جانب سے اجازت ہے۔ اگر "اللہ" کا سا میرا مزاج ہوتا تو آپ کی زبان سے اپنی مدح سن کر آپ کے دامن کو موتیوں سے بھر دیتا۔" (مخلص جوشؔ)

اس خط کا عکس کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔ جوشؔ کا ایک اور عکس تحریر سید ہاشم رضا صاحب کے شکریے کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ مرثیوں کے سنِ تصنیف خود جوشؔ کو بھی یاد نہیں میں نے اس سلسلے میں انھیں خط لکھا تو انھوں نے یہی جواب دیا کہ مجھے یاد نہیں جن مرثیوں کے سن دریافت ہو سکے یا جو مجھے یاد تھے وہ میں نے تحریر کر دئیے ہیں۔

بہر حال کتاب آپ کے سامنے ہے میں نے اس کتاب کو خوبصورت اور تحقیق بنانے کی کوشش کی ہے اسی لئے آخر میں فرہنگ بھی شامل ہے اور آخر میں ناصر حسین کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ان کی خوشنویسی نے کتاب کو بے حد حسن بخشا ہے۔

ہندوستان میں اس کتاب کی اشاعت کی اجازت صرف مرزا امیر علی جونپوری کو ہے اس لئے کہ انھیں کی خواہش پر میں نے یہ کام کیا ہے۔

ضمیر اختر نقوی

۴-ایچ - رضویہ سوسائٹی کراچی نمبر ۱۸

۲۳، رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ

مطابق ۱۷، اگست ۱۹۷۹ء

کتابیات

ان کتابوں سے بہ طور خاص مدد لی گئی ہے۔

آیات و نغمات	جوش ملیح آبادی	مکتبۂ اردو لاہور	۱۹۴۴ء
شعلہ و شبنم	”	کتب خانہ تاج آفس بمبئی	۱۹۳۳ء
الہام و افکار	”	جوش اکیڈمی ۔ کراچی	۱۹۶۶ء
موجد و مفکر	”	نامی پریس ۔ لکھنؤ	
نجوم و جواہر	جوش ملیح آبادی	جوش اکیڈمی کراچی	۱۹۶۷ء
طلوعِ فکر	”	آگے قدم پرنٹری ۔ کراچی	۱۹۵۷ء
یادوں کی بارات	”	مکتبۂ دانیال ۔ کراچی	۱۹۷۲ء
جدید فن مرثیہ نگاری	سید آلِ رضا کا مرثیہ عظمتِ انساں ۔ مکتبۂ تعمیر ادب لاہور ۱۹۶۷ء		
جوش نمبر	ماہنامہ ”افکار“ کراچی	مکتبۂ افکار کراچی	۱۹۶۲ء
انیس نمبر	سہ ماہی ’اردو‘	انجمن ترقی اردو کراچی	۱۹۷۳ء
مراثی انیس	میر انیس (چار جلدیں)	نولکشور پریس لکھنؤ	۱۹۵۸ء

٭ ٭ ٭

جوشؔ کی مرثیہ نگاری

ضمیر اختر نقوی

دانائے رموزِ این و آں ہوں اے جوشؔ
مولائے اکابرِ جہاں ہوں اے جوشؔ
کیوں اہلِ نظر پڑھیں نہ کلمہ میرا
میں شاعرِ آخرالزماں ہوں اے جوشؔ

جوش کی مرثیہ نگاری ایک روشنی کا مینار ہے جس کی روشنی سے اردو مرثیہ کی بہت سی شاہراہیں جگمگا اٹھی ہیں۔ بعض حضرات نے جوش کے مرثیوں کو محض "مسدس" کا نام دیا ہے مگر یہ ایک تنگ خیالی ہے، چونکہ میر ضمیر سے منسوب کردہ ترتیب سے الگ ہونے کے باوجود انہوں نے مرثیہ کو ایک نئی ترتیب دینے کی کوشش کی ہے فکری عنصر کی شمولیت سے ترتیب کو وسعت دی ہے "موجد و مفکر" اور "عظمت انسان" (قلم، نامی مرثیے میں انہوں نے ابواب مقرر کر کے ایک جدید راہ نکالی ہے اور اس کے علاوہ جوش کے مرثیے مقصد شہادت کے قریب تر ہیں اس لئے انہیں مرثیہ نہ کہنا ایک ناانصافی ہے۔

جوش نے اردو مرثیے کی تاریخ کو نئے موڑ سے آشنا کیا ہے۔ موجودہ صدی میں جوش واحد شاعر ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اردو شاعری میں جدید مرثیہ کے باب کا اضافہ کیا ہے۔ جوش نے پہلا مرثیہ "آوازۂ حق" ۱۹۱۸ء میں کہا تھا، یہ وہ دور تھا جب ہندوستان میں خلافت اور عدم تعاون کی تحریکیں زوروں پر تھیں۔ آزادی کی جنگ میں برٹش سامراج کے خلاف انہوں نے اپنی شاعری سے بھرپور کام لیا اور اس سلسلے میں واقعہ کربلا کے علائم اور رموز استعمال کئے۔ آزادی کی جدوجہد کو جوش نے "تازہ کربلا" کا نام دیا اور اس کی کامیابی کے لئے "عزم حسینؑ" کی طلب کی۔ یہی وجہ ہے کہ جوش کے مرثیوں میں بین سے زیادہ

رزم کا عنصر نمایاں ہو گیا اور سیرت امام حسینؑ کے بیان میں عزم و ہمت بے خوفی، شجاعت، صبر و استقلال کی تصویر سامنے آتی ہے۔

قربان تیرے نام کے لیے میرے بب ادر　　　　تو جان سیاست تھا تو ایمان تدبر
معلوم تھا باطل کے مٹانے کا تجھے گُر　　　　کرتا ہے تری ذات پہ اسلام تفاخر

سُوکھے ہوئے ہونٹوں پہ صداقت کا سبق تھا
تلوار کے نیچے بھی وہی کلمۂ حق تھا

شعلے کو سیاہی سے ملایا نہیں تُو نے　　　　سر کفر کی چوکھٹ پہ جھکایا نہیں تُو نے
وہ کون سا غم تھا جو اٹھایا نہیں تُو نے　　　　بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا نہیں تُو نے

دامانِ دفا گھر کے شریروں میں نہ چھوڑا
جو راستہ سیدھا تھا وہ تیروں میں نہ چھوڑا

جوشؔ نے اس کارنامۂ صبر و استقلال کی تفصیلی وضاحت کے بعد قوم کو بیداری کا پیغام اس طرح سنایا۔

اے قوم وہی پھر ہے تباہی کا زمانہ　　　　اسلام ہے پھر تیر حوادث کا نشانہ
کیوں چپ ہے اسی شان سے پھر چھیڑ ترانہ　　　　تاریخ میں رہ جائے گا مردوں کا فسانہ

مٹتے ہوئے اسلام کا پھر نام جلی ہو
لازم ہے کہ ہر شخص حسینؑ ابن علیؑ ہو

۱۹۴۱ء میں جب تحریک آزادی عالمگیر جنگ کے سبب اپنے پورے شباب پر تھی جوشؔ نے دوسرا مرثیہ "حسین اور انقلاب" لکھ کر مرثیے کے قارئین اور سامعین کو امام حسینؑ کے کارنامے کی نئی تعبیروں کا پتہ دیا۔ یہ مرثیہ لکھنؤ کی ایک مجلس میں پیش کیا گیا تھا۔ اس مجلس کا حال خود جوشؔ صاحب کی زبانی سنیئے۔

"حسینؑ اور انقلاب" سننے کے لئے پورا ادبی لکھنو ٹوٹ پڑا تھا
امام باڑے میں تل دھرنے کی بھی جگہ باقی نہ تھی۔ لکھنو کے تمام شعرا تمام
اساتذہ یہاں تک کہ مولانا صفیؔ بھی تشریف لائے۔ اور اس مجلس میں
فقط شیعہ ہی نہیں اہلسنّت اور ہندو بھی شامل ہوئے تھے۔ چونکہ اس
مسدس میں آہ و فغاں پر زور دینے کے بدلے، ایثار اور کردارِ حسینؑ پر
عمل کرنے کی پہلی بار ترغیب دی گئی تھی۔ اس لئے اربابِ مجلس نے بالعموم
اور اعیانِ سیاست نے بالخصوص بار بار کھڑے ہو کر اس جوش و خروش
سے داد دی تھی کہ ان کی آوازوں کے تھپیڑوں سے منبر میں جنبش پیدا ہو گئی
تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ سامعین اپنے گریبان پھاڑ کر میدانِ
جنگ میں کود پڑیں گے"۔ ؎

اس مرثیے کی مقبولیت نے مرثیہ نگاری کے جدید رجحان سے عوام و خواص کو روشناس کرایا۔ متعدد زبانوں پر اس کے بہت سے بند اور بیتیں چڑھ گئیں۔ بعض بند آج بھی زبان زدِ خاص و عام ہیں۔

تاریخ دے رہی ہے یہ آواز دم بدم — دشتِ ثبات و عزم ہے، دشتِ بلا و غم
صبرِ مسیح و جرأتِ سقراط کی قسم — اس راہ میں ہے صرف اک انسان کا قدم
جس کی رگوں میں آتشِ بدر و حنین ہے
جس سورما کا اسمِ گرامی حسینؑ ہے

جو کاروانِ عزم کا رہبر تھا وہ حسینؑ — خود اپنے خون کا جو شناور تھا وہ حسینؑ

؎ یادوں کی بارات صفحہ ۲۹۱

ایک دینِ تازہ کا جو پیمبر تھا وہ حسینؑ — جو کربلا کا داورِ محشر تھا وہ حسینؑ
جس کی نظر پہ شیوۂ حق کا مدار تھا
جو روحِ انقلاب کا پروردگار تھا

ہر چند اہلِ جور نے چاہا یہ بارہا — ہو جائے محو یادِ شہیدانِ کربلا
باقی رہے نہ نام زمیں پر حسینؑ کا — لیکن کسی کا زورِ عزیزو نہ چل سکا
عباسؑ نامور کے لہو سے دُھلا ہوا
اب بھی حسینیت کا علم ہے کھُلا ہوا

جوشؔ نے فکری موضوعات اور جدید فنی تقاضوں کو سامنے رکھ کر مرثیہ کو ایک نیا رنگ و آہنگ دیا جوشؔ اپنے اصولِ مرثیہ گوئی کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"اور پھر یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ مرثیوں سے ہمیشہ آنسوؤں، وروہوں کا کام لیا گیا ہے اور کسی ایک مرثیہ گو نے بھی اس جانب توجہ مبذول نہیں کی ہے کہ حسینؑ کے کردار کو پیش کر کے مومنین کو یہ سبق دے کر دیکھو اگر تم حسینی ہو تو خبردار باطل کی طاقت کے سامنے کبھی سر نہ جھکانا اور فرمانروایانِ دہر کو خاطر میں نہ لانا"[1]

یہ حقیقت ہے کہ جوشؔ سے پہلے کسی مرثیہ نگار نے براہِ راست یہ بات نہیں کہی تھی لیکن یہ خطیبانہ انداز ہے، پرانے مرثیہ نگاروں نے بالواسطہ اور شاعرانہ زبان میں یہ مقصد حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ درحقیقت ہر عہد کی زبان اور تقاضے الگ الگ ہوتے ہیں۔

جوشؔ نے اب تک تقریباً نو مرثیے کہے ہیں اور ہر مرثیے میں جوشؔ کا یہ پیغام شامل ہے:

---

[1] (جدید فن مرثیہ نگاری ص۱)

اہلِ نخوت میں سوادِ ابلق لیسل و نہار | اور تو فقدانِ جرات سے مجسم انکسار
تیری آنکھوں میں نہیں رقصانِ بغاوت کے شرار | سر ہے تیرا در پائے صاحبانِ اقتدار

قوتِ باطل پہ جو انسان چھا سکتا نہیں
حشر میں وہ مصطفٰےؐ کو منہ دکھا سکتا نہیں

(موت محمدؐ و آلِ محمدؐ کی نظر میں)

کربلا یک تزلزل ہے محیطِ دوراں | کربلا خرمنِ سرمایہ پہ ہے برقِ تپاں
کربلا طبل پہ ہے ضربتِ آوازِ اذاں | کربلا جراتِ انکار ہے پیشِ سلطاں

فکرِ حق سوزیہاں کاشت نہیں کر سکتی
کربلا تاج کو برداشت نہیں کر سکتی

جب تک اس خاک پہ باقی ہے وجودِ اشرار | دوشِ انسان پہ ہے جب تک حشمِ تخت کا بار
جب تک اقدار سے اغراض ہیں گرمِ پیکار | کربلا ہاتھ سے پھینکے گی نہ ہرگز تلوار

کوئی کہہ دے یہ حکومت کے نگہبانوں سے
کربلا اک ابدی جنگ ہے سلطانوں سے

"عظمتِ انسان" (قلم)

جوشؔ سرگروہ شعرائے عصر ہیں اور بہ حیثیت صنفِ مرثیہ میں سب سے زیادہ نمایاں ہے بلکہ مرثیہ نے ان کی شاعری میں تطہیری عمل جاری کیا ہے۔ جوشؔ کے انقلابی تصور پر تخریبی ہونے کی تنقید عام ہے مگر مرثیہ میں نہ صرف اس کی تہذیب ہو گئی ہے بلکہ ان کا نصب العین پہلے کے مقابلے میں بہت واضح ہو گیا ہے۔ تہذیبِ جذبات کی مثال دیکھئے کہ رزمیہ عنصر کے

سب سے پہلے مبلغ ہونے کے باوجود جوش نے "وحدت انسانی" کے عنوان سے مرثیہ کہا اور واقعۂ کربلا کو ایک فکری اور آفاقی پس منظر دیا۔

اے دوست سعی، من سے ہو شاد و بامراد — انسان کے دماغ کا سرطان ہے عناد
روحِ بشر کی موت ہے خونخواری و فساد — اپنے غضب سے جنگ ہے، سب سے بڑا جہاد
لاکھوں میں بے نظیر کروڑوں میں فرد ہے
جو مسکرائے طیش میں بے شک وہ مرد ہے

لوہے میں ڈوبتی ہے نگاہِ وفا شعار — آندھی کو باندھتا ہے لگاوٹ کا ایک تار
توپوں کو روندتی ہے اک آہنگ مہربار — پتھر میں تیرتی ہے محبت کی نرم دھار
دشمن کی سمت ایک ذرا مسکرا کے دیکھ
اس حربۂ لطیف کو بھی آزما کے دیکھ

قاتل بھی ہو رہا ہے اگر پیاس سے نڈھال — پانی اسے پلا کہ یہی ہے وہ کمال
دشمن بھی گر رہا ہو تو ہاں دوڑ کر سنبھال — تھوکے بھی کوئی منہ پہ تو ماتھے پہ بل نہ ڈال
دل کی سپر پہ غیر کا ہر وار روک لے
تارِ نگاہِ لطف پہ تلوار روک لے

(وحدتِ انسانی)

جوش کے مرثیوں میں فکر و انقلابی عنصر نمایاں دیکھ کر بعض ناقد یہ کہتے ہیں کہ جوش کے مرثیوں میں مُبکی عنصر ناپید ہیں۔ ایسا کہنا کسی شاعر کے حساس ہونے سے انکار کرنے کے مترادف ہے جوش خود کہتے ہیں ۔

تجھ پہ بے روئے نہیں اٹھتے کسی محفل سے ہم
کیا کریں مجبور ہو جاتے ہیں اپنے دل سے ہم

ان کے یہاں بین اور ذکر مصائب کا وہ مخصوص اہتمام تو نہیں ملتا لیکن بین کے تاثر کی نوعیت کچھ مختلف ہوگئی ہے۔ انہوں نے وہ لطیف تاثراتی اشارے کئے ہیں جو دل میں تیر کی طرح اُتر جاتے ہیں اور آنکھ سے آنسو بن کر چھلک پڑتے ہیں کچھ مثالیں دیکھئے۔

شبِ عاشور کا ایک منظر:

وہ اہلِ حق کی تشنہ دہاں، مختصر سپاہ — باطل کا وہ ہجوم کہ اللہ کی پناہ
وہ ظلمتوں کے دام میں زہراؑ کے مہر و ماہ — تارے وہ فرطِ غم سے جھکائے ہوئے نگاہ
وہ دل بجھے ہوئے وہ ہوائیں تھمی ہوئی
وہ اک بہن کی، بھائی پہ نظریں جمی ہوئی

لبریز زہرِ جور سے وہ دشت کا ایاغ — دکھتے ہوئے وہ دل وہ تپکتے ہوئے دماغ
آنکھوں کی پتلیوں سے عیاں وہ دلوں کے داغ — پُر ہول ظلمتوں میں وہ سہمے ہوئے چراغ
بکھرے ہوئے ہوا میں وہ گیسو رسولؐ کے
تاروں کی روشنی میں وہ آنسو بتولؑ کے

وہ رات وہ فرات وہ موجوں کا خلفشار — عابدؑ کی کروٹوں پہ وہ بے چارگی کا بار
وہ زلزلوں کی زد پہ خواتین کا وقار — اصغرؑ کا پیچ و تاب وہ جھولے میں بار بار
اصغرؑ میں پیچ و تاب نہ تھا اضطراب کا
وہ دل دھڑک رہا تھا رسالت مآب کا

(حسینؑ اور انقلاب)

کربلا کی دوپہر اور آگ برساتے سورج کے نیچے حسینؑ تنہا کھڑے ہیں:

چشمِ نمناک میں پرتوِ روئے بے شیر — سانس لیتے تھے تو چبھتا تھا جگر میں اک تیر
برقِ جوالہ کی تھی موج ہوا میں تاثیر — اور اس نقطۂ حدت پہ کھڑے تھے شبیرؑ

کہ جہاں دھوپ کچھ اس طور سے برساتی ہے
سینۂ برق سے بھی آنچ نکل آتی ہے

(عظمتِ انسان" قلم)

جوشؔ تلخ گو، صاف گو، آزاد خیال اور بے باک شاعر ہیں۔ سچی بات کہنے میں وہ کبھی کہیں نہیں چوکتے جو کہنا ہوتا ہے وہ منہ پر کہہ دیتے ہیں۔ گرج کر اور برس کر کہتے ہیں جوشؔ منافقت کو پسند نہیں کرتے ان کو منافقین سے سخت نفرت ہے یہ جذبہ ان کے مرثیوں میں ابھر کر بہت شدت کے ساتھ آیا ہے انہوں نے اسلام کے منافقین سے نفرت و بیزاری کا برملا اظہار کیا ہے حضرت ختمی مرتبتؐ کی وفات کے بعد منافقین نے اسلام کا چہرہ مسخ کر دیا تھا منافقین کی سازشوں نے جب بہت سر اٹھایا تو امام حسینؑ نے ہمیشہ کے لئے ان سازشوں کا سر کچلنے کا حکم دیا اور آپ میدانِ کربلا میں مجاہدِ حق کی صورت میں نمودار ہوئے۔ جوشؔ نے اپنے تمام مرثیوں میں منافقین کے چہروں سے نقاب اٹھائی ہے۔

اہلِ دل سے کہہ رہی ہے یہ مورخ کی زباں — بعدِ پیغمبرؐ ہوئی تھیں کس طرح سرگوشیاں
چھا گیا تھا ہر طرف کس طرح دولت کا دھواں — کیا دبے پاؤں چلے تھے سازشوں کے کارواں
اب بھی ان امواج میں ڈوبی پڑی ہے کربلا
ہاں انہیں کی ایک تاریخی کڑی ہے کربلا

کربلا میں امرِ حق کی برتری سے جنگ تھی — طاقتِ نانِ شعیرِ حیدری سے جنگ تھی
عظمتِ دیرینۂ پیغمبری سے جنگ تھی — جس کا قرآں میں ہے ذکر اس داوری سے جنگ تھی
کب نفاق اربابِ حق سے برسرِ پیکار تھا
وہ خدا پر آخری لات و ہبل کا وار تھا

کفر نے کاٹا نہیں تھا مصحفِ ناطق کا سر — اصل میں قرآن وہ پھینکا گیا تھا پھاڑ کر

حملہ آور ابن حیدرؑ پر نہ تھے ارباب شر ضرب تھی وہ اصل میں اسلام کی بنیاد پر

چند جانبازوں کی جانب رُخ نہ تھا آفات کا

دن پہ وہ دراصل دھاوا تھا اندھیری رات کا

وہ نہ تھا افتادِ طشت حق کا صوتی ارتعاش مصطفیٰؐ سے دشمنی کا وہ ہوا تھا رازِ فاش

خیمۂ شبیرؑ کو گھیرے نہیں تھے بدقماش گردنِ حق کیلئے تھی ریسماں کی وہ تلاش

اشقیا جھپٹے نہ تھے ابن شہِ لولاکؐ پر

اصل میں بُت آستینوں سے گرے تھے خاک پر

(موجد و مفکر)

جوشؔ کے مرثیوں میں اہم تاریخی واقعات کی جانب تلمیحات کی صورت میں بہت شگفتہ اشارے ملتے ہیں۔ واقعۂ قرطاس و قلم تاریخ اسلام کا بڑا عجیب سانحہ ہے جوشؔ نے اس واقعہ کی طرف بہت لطیف پیرائے میں اشارہ کیا ہے۔

نام تیرا سبب جنبش لب ہائے رسولؐ

اے قلم! موت کے لمحے کی تمنائے رسولؐ

(عظمتِ انسان" قلم)

غرض کہ جوشؔ کے پہلے مرثیہ "آوازۂ حق" میں کلاسیکی مرثیہ کے تمام عناصر ملیں گے چہرہ سراپا، رخصت، آمد، رجز، جنگ، شہادت، بین اور آخر میں قومی حالات کی پستی اور حسینؑ سے مدد کی طلب، جوشؔ کی شاعری سے صرف تاریخ ادب ہی نہیں سماجی، سیاسی، تاریخ، بھی عبارت ہے جس طرح ہر اہم واقعہ پر جوشؔ کی ایک نظم مل جاتی ہے، اسی طرح جوشؔ کی مرثیہ نگاری کے سفر سے بھی ہم تاریخ مرتب کرسکتے ہیں جوشؔ نے قیام ہند کے زمانے میں دو مرثیے کہے تھے "آوازۂ حق"، "حسینؑ اور انقلاب" جس میں آزادی کی آرزو نمایاں تھی۔

پاکستان ہجرت کرنے کے بعد جوش نے زیادہ تواتر کے ساتھ مرثیے کہے ہیں۔ ۲۲ برسوں میں مندرجہ ذیل مرثیے ایسے ہیں جن سے اہلِ ادب بخوبی واقف ہیں:

۱۔ وحدتِ انسانی

"اے دوست دل میں گردِ کدورت نہ چاہیے" بند ۷۶

۲۔ موجد و مفکر

"شکرا کر جب ہوئی طالع تمدن کی سحر" " ۱۱۵

۳۔ طلوعِ فکر

"جب چہرۂ افق سے اٹھی سرمئی نقاب" " ۱۱۰

۴۔ موت و حیات

"ہاں آناہے وہ دبیر نفس دوارائے حیات" " ۸۶

۵۔ آگ

"آگ یعنی سوزِ خلوت پرور و جلوت نواز" "

۶۔ عظمتِ انسان یا (قلم)

"اے قلم، چوبِ خضر، حبلِ متین ارشاد" " ۸۸

۷۔ پانی

"ہاں اے صباحِ طبع شبِ تار سے نکل" " ۵۹

ان تمام مرثیوں میں جوش نے فکری عناصر اور سماجی تنقید کو زیادہ جگہ دی ہے اس لئے کہ آزادی کا تصور ماضی کی بھینٹ چڑھ چکا تھا، اس فکری انداز میں تاریخ اور فلسفے کا امتزاج دیکھئے۔

اور سرتابی کا جب ہیجان بن جاتی ہے آگ　　　اک قیامت آفرین ہیجان بن جاتی ہے آگ

بڑی کا آتشیں پیلان بن جاتی ہے آگ　　　اژدرو عفریت کیا شیطان بن جاتی ہے آگ

بندگی کو نذرِ استکبار کر دیتی ہے آگ

حکم دیتا ہے خدا، انکار کر دیتی ہے آگ

اور جب خوش ہو تو پیغامِ بقا دیتی ہے آگ　　　زندگی کو اپنے دامن کی ہوا دیتی ہے آگ

ظلمتوں کو دولتِ نور و ضیا دیتی ہے آگ　　　سنگ کو یاقوت احمر کی قبا دیتی ہے آگ

اور اسے ڈھونڈو تو فرِ سروری دیتی ہے آگ

سروری کیا چیز ہے پیغمبری دیتی ہے آگ

(آگ)

... جب وہ سماجی تنقید کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو انسان دوست بن کر اپنے جذبات

کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

اے دوست دل میں گردِ کدورت نہ چاہیئے　　　اچھے تو کیا بروں سے بھی نفرت نہ چاہیئے

کہتا ہے کون پھول سے رغبت نہ چاہیئے　　　کانٹے سے بھی مگر تجھے وحشت نہ چاہیئے

کانٹے کی رگ میں بھی ہے لہو سبزہ زار کا

پالا ہوا ہے یہ بھی نسیمِ بہار کا

تکلیفِ ست احباب کو راحت نہیں کہتے　　　جو چند نفس ہو اسے لذت نہیں کہتے

دیباِ مرنم کو ثروت نہیں کہتے　　　جس شے کو فنا ہو اسے نعمت نہیں کہتے

آدم کی خواہش نہ کرو قوتِ زر سے

پاکیزہ روح کو اللہ کے ڈر سے

(وحدتِ انسانی)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جوش دہریت پسند ہیں یہ صحیح کہ ملائیت سے بیزار دوسرے

شعراء کی طرح جوشؔ کے یہاں بھی یہ خیالات پائے جاتے ہیں مگر مرثیہ کہتے وقت وہ صرف "عزم حسینؑ" کے ہی نہیں حقانیتِ رسولؐ کے بھی مبلغ نظر آتے ہیں۔

نوعِ انسانی کو دیا کس فلسفی نے یہ پیام
مردِ غازی کا کفن ہے، خلعتِ عمرِ دوام

نصب کس نے کر دیئے مقتل میں حوروں کے خیام
جانتے ہو اس دبیرِ ذہنِ انسانی کا نام

جو انوکھی فکر تھا، جو اک نیا پیغام تھا
اس حکیمِ نکتہ پرور کا محمدؐ نام تھا

اے محمدؐ، اے سوارِ توسنِ وقتِ رواں
اے محمدؐ، اے طبیبِ فطرت نباضِ جاں

اے محمدؐ، اے فقیہہ نفس و نقادِ جہاں
موت کو تو نے وہ بخشی آب و تابِ جاوداں

زندگانی کے پجاری موت پر مرنے لگے
لوگ پیغامِ اجل کی آرزو کرنے لگے

خاک کے ذرات کو تو نے ثریا کر دیا
آگ کو پانی کیا پانی کو صہبا کر دیا

موت سی کالی بلا کو رشکِ سلمیٰ کر دیا
آخری ہچکی کو گلبانگِ مسیحا کر دیا

سر سے خوفِ نیستی کی یوں بلائیں ٹال دیں
آدمی نے موت کی گردن میں بانہیں ڈال دیں

(موت محمدؐ و آلِ محمدؐ کی نظر میں)

جوشؔ کی اس تاریخی بصیرت کے نتیجے میں سماجی تنقید کا ایک اسلوب ابھر آتا ہے:

ذرا اچل ہے پھر بپا میاں محشر قین
ہر نظر ہے ایک ماتم ہر نفس ہے ایک بین

تخت پر سرمایہ داری ہے بصد اجلال و زین
اور ٹس سے مس نہیں ہوتے محبانِ حسینؑ

ہے یہی ایمان تو ایمان کو میرا سلام
اک فقط ایمان کیا قرآن کو میرا سلام

کبریا، پروردگارا، کردگارا، داورا ۔۔۔ کب سے میری قوم گہری نیند میں ہے مبتلا
کب سے پامالِ نفیرِ خواب ہے میری صدا ۔۔۔ نیند آنکھوں کی اڑا دے جن سینوں کی جگا

یا لگا دے سینۂ مومن میں باغِ زندگی
یا بجھا دے اے خدا میرا چراغِ زندگی

یہاں شدتِ جذبات نے مناجات کا رنگ پیدا کر دیا ہے جو جوشؔ کے "مینۂ کفر" پہ خندہ زن ہے معلوم ہوتا ہے کہ جوشؔ نے شریعت سے ہٹ کر ابراہیم بن ادھم کی طریقت کو اپنایا ہے جو حقوق العباد کو حقوق اللہ کی کلید سمجھتا ہے۔

گو قباحت ہے بڑی کافر یزداں ہونا
اس سے بدتر ہے مگر کافر انساں ہونا

بہر حال جوشؔ نے اردو مرثیے کو نئی فکر اور نئی روح سے آشنا کیا ہے انہوں نے اپنے مرثیوں میں بلند آہنگی پیدا کرنے کیلئے خطابت کا انداز اپنایا ہے۔ نرم روی اور افسردگی کے ذریعے تازگی اور شگفتگی پیدا کرنا ان کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتا اس لئے جوشؔ نے خطابت کی گھن گرج کو مرثیوں میں کامیابی سے منتقل کیا ہے انہوں نے مرثیوں میں شعریت اور معنویت کو بلند آہنگی اور خطابت سے برقرار رکھا ہے چونکہ خطابت کا ایک ہنر یہ بھی ہے کہ بات بار بار نرالے انداز سے دکھائی جائے تاکہ سننے والے کے ذہن میں نقش ہو جائے اسی لئے جوشؔ کے مرثیوں میں تخیل کی کارفرمائی پیہم رواں اور برابر آگے بڑھنے کے بجائے دائروں میں ہوتی ہے۔ وہ بار بار نئی تشبیہیں ڈھونڈتے ہیں اور اس بات کو نئے نئے پیرائے اختیار کر کے کئی مرتبہ کہتے ہیں۔ یہی کیفیت ان کی تشبیہوں اور تمثیلوں میں بھی موجود ہے۔ جوشؔ کو شوکتِ الفاظ کا شہنشاہ کہا جاسکتا ہے میر انیسؔ کے بعد اردو شاعری کے پورے سرمائے میں شاید ہی کسی شاعر نے اتنی تشبیہیں استعارے اور IMAGES استعمال کی ہوں پھر ان تشبیہوں میں ندرت اور تازگی ہے اور ان میں اکثر

مشاہدے کے نہایت لطیف استعمال سے پیدا ہوئی ہیں جوش الفاظ پر حکمرانی کرتے ہیں ان کے الفاظ گونجتے، گرجتے اور وجد کرتے ہوئے آتے ہیں:

لفظوں کی موج رنگ میں غلطاں ہوئے گہر — لہجے کی آب جو میں چلی کشتیٔ قمر
نوکِ قلم سے علم کی طالع ہوئی سحر — اور پھر سحر کی چھوٹ پڑی ذوالفقار پر

بالائے ذوالفقار علم جگمگا اٹھا
اور ضو فشاں علم پہ قلم جگمگا اٹھا

گھومی کلیدِ فضل، کھلا قفلِ فیضِ عام — ناگاہ آسمان پہ گونجا زمیں کا نام
گردش میں آئے نعرۂ صلِّ علیٰ کے جام — پڑھتے ہوئے درود بڑھے انبیاء تمام

کعبے کے گرد ایک کرن گھومنے لگی
رُوحِ محمدِ عربی جھومنے لگی

شب ہائے ایں و آں میں ہوئی صبح منجلی — بادِ مراد ناز سے مچلی گلی گلی
عرفانِ کائنات کی چٹکی کلی کلی — اور روحِ ارتقا نے پکارا کہ اے "علیؑ"

لے یہ کلیدِ علم یہ گیتی کا باب ہے
اس خاک کو اُبھار کہ تو بوتراب ہے

"طلوعِ فکر"

جوش نے مرثیوں میں ہندی کے خوبصورت الفاظ کثرت سے استعمال کئے ہیں:

زندگی، باگیسری، سارنگ، دیپک، سوہنی — بُت تراشی، رقص، موسیقی، خطابت، شاعری
پنکھڑی، تتلی، صنوبر، دوب، نسرین، چاندنی — لاجوردی، شربتی، دھانی، گلابی، چمپئی

زعفرانی، آسمانی، ارغوانی، زندگی
لاجونتی، مدھ بھری، کومل، سہانی زندگی

پورے بند میں ۴ لفظ ہندی کے ہیں۔ اس کے علاوہ جوش نے بعض ہندی کے لفظ مرثیوں میں ایسے بھی استعمال کئے ہیں جو جوش سے پہلے مرثیوں میں نہیں ملتے، جیسے رنگ ساگر، روپ مالا، راگ مندر، پھول بن، برکھا، نرت، لٹک، بھیرویں، گلال، رنگ ترنگ وغیرہ۔

جوش کے مرثیوں میں عورتوں کی زبان کے الفاظ اور محاوروں کا خوبصورت استعمال بھی ہے:

سر پہ سہرا بر میں جوڑا، بات میں قند و نبات   چال میں گنگا کی لہریں زلف میں برکھا کی رات
سانس میں بوئے سمن، لہجے میں عود و سومنات   زندگی، رنگوں کے سائے سے گزرتی اک برات
انکھڑیوں میں رت جگوں کی راگنی گھولے ہوئے
بال بکھرائے ہوئے، بند قبا کھولے ہوئے

"موت محمدؐ و آلِ محمدؐ کی نظر میں"

سر جھکا کر پاؤں جس حجلے میں رکھتی ہے دلہن   جس کے مانجھے کا بٹن سے چمکتے ہیں بدن
عود کی پٹیوں میں کھلتے ہیں جہاں لاکھوں چمن   موت ان گوشوں میں بھی لاتی ہے کافور و کفن
روز کتنی چوڑیوں کو چرمرا دیتی ہے موت
کتنی امیدوں کے خیموں کو جلا دیتی ہے موت

(موت و حیات)

سر پہ سہرا، بر میں جوڑا، رت جگا، دلہن کا سر جھکا کے حجلے میں پاؤں رکھنا، مانجھے کا اُبٹن، چوڑیوں کا چرمرانا، یہ تمام الفاظ و تراکیب عورتوں کی زبان سے لئے گئے ہیں اس کے علاوہ بعض الفاظ جوش نے بار بار استعمال کئے ہیں جیسے جوڑا باندھنا، چوڑیاں کھنکانا، کنگن گھمانا، کلائی دمکنا، مسّی چھٹنا، افشاں جھاڑنا، اُبٹن ملنا، کنگنا بندھنا، گلے کی ہدھی، ناک

میں بلاق، چمپا کلی، پھول سے پنڈے وغیرہ۔

جوشؔ نے مرثیوں میں فارسی اور عربی تراکیب اور الفاظ سے بڑے پیمانہ پر استفادہ کیا ہے بعض مقامات پر جوشؔ نے آیاتِ قرآنی اور احادیثِ رسولؐ و اقوالِ آئمہ کے سلیس ترجمے بھی نظم کئے ہیں لیکن ایسے مصرع اور اشعار زیادہ نہیں ہیں۔

فارسی اور عربی الفاظ کا استعمال جوشؔ کے یہاں بہت شدت سے ملتا ہے:

آبِ مکاں، امامِ زماں، آیۂ مُبیں　　　کنزِ علوم، کاشفِ سرِ کعبۂ یقیں
قاضیِ دہر، قبلۂ دوراں، قوامِ دیں　　　منشائے عصر، معنیِ کن، میسرِ عالمیں
تابندگیِ طرّہ طرفِ کلاہِ علم
مولائے جاں رسولِ تمدّن الٰہ علم

آوازِ جاں نواز ترنم جہاں فروز　　　تیور تمام ساز تکلّم تمام سوز
دانش مہ دو ہفتہ نظر مہرِ نیم روز　　　تقریر فہم بات، خموشی خیال دوز
تجھ سے جو آشنا ہے وہ جوہر شناس ہے
تیری زبان، ذہنِ بشر کا لباس ہے

"طلوعِ فکر"

مطلعِ مہرِ شہادت، مشرقِ ماہِ شہود　　　مصلحِ اوضاعِ ہستی، معنیِ حرفِ وجود
منزلِ اشراق، معراجِ بشر، موجِ صعود　　　منبرِ الطاف، محرابِ کرم، میزانِ جود
مظہرِ حسنِ عمل، شمعِ حریمِ حیدری
مورثِ اقطابِ عالم، وارثِ پیغمبری

"موجد و مفکر"

جوشؔ نے پرانے لفظوں اور تراکیب کو بھی اپنے ندرتِ تخیل اور انوکھے پن سے

تازگی اور شگفتگی بخش دی ہے۔

میر انیس کی مشہور بیت ہے :

پنہاں نظر سے روئے شب تار ہو گیا
عالم تمام مطلع انوار ہو گیا

جوش نے بھی مطلع کا لفظ استعمال کیا ہے لیکن "ادراک" کی ترکیب کے ساتھ :

تاریکیوں میں روئے زمیں پاک ہو گیا
روشن تمام مطلع ادراک ہو گیا

میر انیس کی ایک اور مشہور بیت دیکھئے :

نافے کھلے ہوئے تھے گلوں کی شمیم کے
آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے

جوش نے "غنودہ کنج" اور "ڈولا شمیم کا" کہہ کر اپنے مرثیے کی ایک بیت کو نئی زندگی عطا کر دی ہے :

آیا جو لالہ زار میں جھونکا نسیم کا
اترا غنودہ کنج میں ڈولا شمیم کا

جوش، میر انیس کی طرح "گلدستہ معانی کو نئے ڈھنگ سے باندھنے کا" ملکہ اور ایک پھول کے مضمون کو سو رنگ سے باندھنے کی قدرت رکھتے ہیں۔

جوش نے استعارے کی اہمیت کا احساس اور مناسبت لفظ کا حسن یہ نکات میر انیس سے سیکھے ہیں۔ جوش کی قادر الکلامی اور فنکارانہ گہرائی کلام انیس کی مرہون منت ہے ، یہی وجہ ہے کہ میر انیس اور جوش کے مرثیوں کا تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ دونوں کا انداز بیان، اسلوب، لہجے اور آہنگ میں کافی مماثلت ہے۔ انداز بیان اور بلاغت

اظہار کی مشترک خوبیوں کے علاوہ دونوں کی زبان میں مماثلت اتنی ہے کہ سو سال کے زمانی بعد کے باوجود بالکل ایک سی معلوم ہوتی ہے۔

ڈاکٹر احسن فاروقی نے لکھا ہے۔

"غرض جدید شاعری کے انداز اور راگ کا جہاں تک تعلق ہے وہ اُسے میر انیس ہی سے ملا ہے جوشؔ کی جدید ترین شاعری یعنی وہ مسدس جو سات سال سے وہ ہر سال مجلس ایرانیان کراچی میں پڑھ رہے ہیں تمام تر میر انیسؔ کی پیروی میں ہے کیونکہ اس وقت اردو شاعری کی فضا میں جوشؔ کی آواز سے زیادہ دلکش اور زوردار آواز کوئی نہیں ہے اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت بھی اردو شاعری کی اقلیم پر میر انیسؔ کی قلمرو ہی ہے"[1]

میر انیسؔ اپنی خصوصیات کی بناء پر شعر و ادب سے شغف رکھنے والوں کے محبوب ترین شاعر ہیں۔ میر انیسؔ کے بعد آنے والے شعراء چاہے وہ حالیؔ ہوں یا اقبالؔ، چکبستؔ ہوں یا سرورؔ، میر انیسؔ سے بے حد متاثر ہیں اور ان کے انداز شاعری تک پہنچنے کو اپنے فن کی معراج سمجھتے ہیں جوشؔ بھی اس دور میں میر انیسؔ سے بے حد متاثر ہوئے ہیں۔

انہوں نے حالیؔ اور اقبالؔ کی طرح میر انیسؔ کے کلام کا بالاستیعاب مطالعہ کیا اور اتنی گہری نظر سے کیا کہ میر انیسؔ کا انداز بیان ان کی شاعری میں رچ بس گیا۔ تاثر پذیری کا یہ رنگ جوشؔ کے مرثیوں میں اور بھی گہرا ہو گیا ہے۔

میر انیسؔ:

ہیں زیر زمین صاحب تخت و علم و تاج	جو صاحب نوبت تھے نشاں ان کے نہیں آج
جو شاہ کے شاہوں سے صدا لیتے تھے باج	وہ بعد فنا آپ کفن کے رہے محتاج

---

[1] میر انیسؔ اور جدید اردو ادب ' مطبوعہ سہ ماہی اردو انیسؔ نمبر صفحہ ۱۹

درویش و غنی اس سے ہمیشہ رہے شاکی
بتلاؤ کہ دنیا نے کسی سے بھی وفا کی

جوشؔ:

جا گورِ غریباں پہ نظر ڈال بہ عبرت کھل جائے گی تجھ پر تیری دنیا کی حقیقت
عبرت کے لئے ڈھونڈ کسی شاہ کی تربت اور پوچھ کدھر ہے وہ تیری شانِ حکومت
کل تجھ میں بھرا تھا جو غرور آج کہاں ہے؟
اے کاسۂ سر بول ترا تاج کہاں ہے؟

"آوازۂ حق"

میر انیسؔ:

دنیا میں سدا ایک سا رہتا نہیں احوال ادبار ہے انسان کا کبھی اور کبھی اقبال
اندوختہ کرتے جسے لگتا ہے مہ و سال آجاتا ہے وہ غیر کے قبضے میں زر و مال
خالی رہیں گے بعد فنا ہاتھ تمہارے
کچھ جمع ہو ایسی کہ چلے ساتھ تمہارے

جوشؔ:

دنیا ہے دنی ہیچ ہے دنیا کا زر و مال تذلیل کی بنیاد ہیں یہ حشمت و اجلال
ادبار کوئی چیز ہے در اصل نہ اقبال وہ سر بھی کوئی سر ہے جو جوتے کو ہے پامال
بیدار ہیں دل جن کے وہ دنیا سے خفا ہیں
جو پھول کے طالب ہیں وہ کانٹوں سے جدا ہیں

(آوازۂ حق)

میر انیسؔ:

نہ ابھی ختم ہوئی تھی یہ مسلسل تقریر — حجت اللہ کے فرزند پہ چلنے لگے تیر
چوم کر تیغ کے قبضے کو پکارے شبیرؑ — لو خبردار چمکتی ہے علیؑ کی شمشیر
پسر فاتح صفین و حنین آتا ہے
لو صفیں باندھ کے رد کو تو حسینؑ آتا ہے

جوشؔ

بس اتنے میں ناگاہ برسنے لگے جو تیر — خیمے کی طرف دیکھ کے چپ ہو گئے شبیرؑ
گھوڑے کو بڑھا کر یہ پکارے شہ دلگیر — مجبور ہوں، اب کھینچتا ہوں میاں سے شمشیر
ہنگام دغا برق ہوں، طوفاں ہوں، غضب ہوں
ہشیار کہ میں روحِ شجاعانِ عرب ہوں

میر انیسؔ کی صد سالہ برسی کے موقع پر جوشؔ نے ۱۹۷۱ء میں "دنگ میر انیسؔ" میں "پانی"[1] کے عنوان سے مرثیہ کہا اور ایرانیان ہال کی مجلس میں پیش کیا۔ اس مجلس کی منظر نگاری کے

---

[1] "پانی" جوشؔ کا آخری مرثیہ ہے۔ اس کے بعد انہوں نے نو تصنیف مرثیہ کہیں پیش نہیں کیا گزشتہ کئی برس سے جوشؔ دو مرثیے اور کہہ رہے ہیں ایک مرثیہ کا عنوان "وفاداری" ہے جس میں حضرت عباسؑ کی "وفا" کو مرثیہ کا مرکزی خیال بنایا گیا ہے دوسرا مرثیہ حضرت زینبؑ کے خطبہ سے متعلق ہے جو آپ نے دربارِ شام میں جلال کے عالم میں پڑھا تھا۔ یہ دونوں مرثیے نامکمل ہیں اگر تکمیل پانے کے بعد یہ دونوں مرثیے منظر عام پر آئے تو خیال ہے کہ جوشؔ کے شاہکار مرثیے ثابت ہوں گے "وفاداری" میں جناب سکینہؑ در خیمہ پر خالی کوزہ لئے ہوئے پیاس کے عالم میں کھڑی ہیں اس موقع پر جوشؔ کی ایک بیت دیکھئے۔

لرزش نہ تھی عطش سے سکینہؑ کے ہات میں
تاجِ یزید ڈوب رہا تھا فرات میں"

لئے صفحات درکار ہوں گے ہزاروں کے مجمع میں جوشؔ نے اپنی گرجدار خوبصورت آواز میں یہ مرثیہ شروع کیا۔

"ہاں اے صباحِ طبع شبِ تار سے نکل"

مطلع سے مقطع تک ایک ایک مصرع پر سامعین اپنی نشستوں سے اُٹھ اُٹھ کر داد دے رہے تھے، اس مجلس کے علاوہ میں نے پاکستان کے مشاہیر، علماء، دانشور، ادیب اور شاعروں کو پھر کسی مجلس میں ایک جگہ جمع ہوتے نہیں دیکھا، اس مرثیے کے چند بند دیکھئے۔

"پانی" کے سلسلے میں کہتے ہیں:

اِٹھلا کے بے شمار بکھیڑے لئے ہوئے — چھلبل کی شوخیوں میں تھپیڑے لئے ہوئے
پُرہول مد و جزر میں بیڑے لئے ہوئے — شاداب گھاٹیوں میں دڑیڑے لئے ہوئے
جھلمل فضا میں بال پریشاں کئے ہوئے
بوچھار کی رقیق دلائی سیئے ہوئے

کائنات پر "شہادت امام حسینؑ" کے اثرات:

ذرات آبدیدہ تھے صحرا اداس تھا — گرداب اشکبار تھے دریا اداس تھا
فرشِ زمین و عرشِ معلّا اداس تھا — روئے مبین فاطمہ زہراؑ اداس تھا
گردوں کی بارِ غم سے کمر تھی جھکی ہوئی
گیتی کی سانس فرطِ الم سے رکی ہوئی

مرثیہ خاتمے پر پہونچ رہا ہے "شہید اعظم" کو جوشؔ سلام عقیدت پیش کر رہے ہیں:

اے ذوالفقارِ حیدرِ کرار السلام — اے جانشینِ احمدِ مختار السلام
اے بے نیاز اندک و بسیار السلام — اے محورِ ثوابت و سیّار السلام

اے بے مثال پختگیٔ ہمت السلام

اے آدمی کے نازِ الوہیت السلام

اے وجہِ افتخارِ ابد وجد سلام لے
اے کارسازِ ابیض و اسود سلام لے

اے ذی حیات منبر و معبد سلام لے
اے عارفِ ضمیرِ محمدؐ سلام لے

ناموسِ انبیاء کے نگہبان السلام

اے رحلِ کائنات کے قرآن السلام

میر انیس کی وفات کو سو سال گزر چکے ہیں لیکن آج بھی اُن کے کلام میں وہی تازگی وہی دلکشی، وہی جاذبیت، وہی تاثر ہے جو ان کی زندگی میں تھا۔ بلکہ اب ان کا کلام پڑھنے والوں اور پڑھ پڑھ کر جھومنے والوں کی تعداد میں ہر آن اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ جوش ابھی حیات ہیں اور ان کی زندگی ہی میں ان کے مرثیوں کو جو مقبولیت ملی ہے وہ علم و ادب کے ساتھ معمولی سا تعلق رکھنے والے پر بھی بخوبی روشن ہے۔ میر انیس خود شناس شاعر تھے اسی طرح جوش بھی خودشناس ہیں جس طرح میر انیس اپنے مقام اور مرتبہ سے بخوبی آگاہ تھے۔ جوش بھی اپنے مرتبہ و مقام سے آگاہ ہیں:

میر انیس نے اپنے لئے کہا تھا:

بالیدہ ہوں وہ اوج مجھے آج ملا
ظلِ علمِ صاحبِ معراج ملا

منبر پہ نشست سر پہ حضرت کا علم
اب چاہیئے کیا تخت ملا تاج ملا

جوش اپنے لئے کہتے ہیں:

سینے پہ میرے نقشِ قدم کس کا ہے
رندی میں یہ اجلال و حشم کس کا ہے

زاہد مرے اس ہات کے ساغر کو نہ دیکھ
یہ دیکھ کہ اس سر پہ علم کس کا ہے

٭ ٭ ٭

مرثیہ ①

آوازۂ حق

کیوں کر نہ کروں شکر خدائے دوجہاں کا

بند، ۹۲

تصنیف ــــــــــــ ۱۹۱۸ء

اے بارِالہٰ نوحہ سُناتا پھرتا
تا روزِ جزا اشک بہاتا پھرتا
امداد نہ کرتے جو ترس کھا کے حسینؑ
اسلام ترا ٹھوکریں کھاتا پھرتا

کیوں کر نہ کروں شکرِ خدائے دوجہاں کا
بخشا ہے مرے دل کو مزا سوزِ نہاں کا
(۱)
یکساں ہے، مسرت کا محل ہو کہ فغاں کا
ہو نارِ جہنم بھی تو لطف آئے جناں کا

ہوتی ہے خوشی صحت و آزار سے مجھ کو
خلعت یہ ملا ہے تری سرکار سے مجھ کو

سینے میں چھپائے ہوں جو انوار کسی کے
دل میں نہیں آتے ہیں خیالات دوئی کے
(۲)
رونے کے ہوں اسباب، کہ سامان ہنسی کے
جو چیز ہے ڈھل جاتی ہے سانچے میں خوشی کے

یلدائے شبِ تار ہے، یا نورِ سحر ہے
جس حال میں ہوں "حسن" مرے پیشِ نظر ہے

اغیار کی فوجیں ہوں کہ احباب کی محفل
گرمی کے بگولے ہوں، کہ لیلیٰ کی ہو محمل
(۳)
راہوں کی صعوبت ہو کہ خوابِ سرِ محفل
ہوتا ہے ہر اک چیز سے بشاش مرا دل

صد شکر مرے دل پہ حقیقت یہ عیاں ہے
ہر آئینے میں دوست کی تصویر نہاں ہے

ہر بات میں اک حسن ہے، ہر شے میں نفاست
بدشکل کوئی چیز نہیں، ہو جو بصارت
(۴)
رونا بھی ہے اک راگ جو کامل ہے سماعت
ہر اشک کے ساغر سے اُبلتی ہے بشاشت

آنکھیں ہوں اگر، نار میں ہے نور کا جلوہ
ہر ذرۂ ناچیز میں ہے طور کا جلوہ

ہو ریگ کا انبار کہ برسات کا دریا ⑤ وہ جیٹھ کی ہو دھوپ کہ بادل کا ہو پردا
وہ لُو کے تھپیڑے ہوں، کہ ہو لوچ صبا کا ○ وہ خال سیہ ہو کہ چمکتا ہوا تارا

اے حُسن کے صانع، ترے اسرار نہاں ہیں
ہر شے میں کم و بیش کچھ انوار نہاں ہیں

شادی و الم، رنج و خوشی، مدح و مذمت ⑥ آشفتگی و عیش و طرب، درد و مصیبت
آشوبِ جہاں، شام بلا، صبح مسرت ○ سب ایک نظر آئیں، جو ہو روح میں قوت

ہم دل کا اگر ساز ستاروں سے ملا دیں
گو تار بہت سے ہیں، مگر ایک صدا دیں

نالے میں ہے، جو نغمۂ بلبل میں نہیں ہے ⑦ جو زُلفِ پریشاں میں ہے سنبل میں نہیں ہے
اکثر جو ہے اجزا کشش، گُل میں نہیں ہے ○ کانٹے میں بھی اِک شان ہے جو گُل میں نہیں ہے

در پردہ یہ سب ایک ہیں ظاہر میں جُدا ہیں
سب اپنے مقامات پہ تصویرِ خدا ہیں

پیشانیٔ تشویش میں ہے جلوۂ تمکیں ⑧ تلخی میں بھی پوشیدہ ہیں کچھ جوہرِ شیریں
ہر درد کی ایذا میں ہے اک پہلوئے تسکیں ○ جو داغ ہے وہ دل کیلئے تاج ہے زریں

یہ دل جو دھڑکتا ہے تو اک قسم کی گت ہے
یہ زہر میں سُنتے ہیں کہ تریاق کا ست ہے

جن کی یہ تمنا ہے کہ دائم رہیں مسرور ⑨ ہیں فلسفۂ طرزِ تمدن سے بہت دور
افراطِ خوشی، غم ہے، یہ فطرت کا ہے دستور ○ صدموں میں رُخِ راحت و آرام ہے مستور

ضَو لُطف کی ہے پردۂ آفات کے پیچھے
پنہاں ہے سپیدائے سحر رات کے پیچھے

(۱۰)

دب جاتے ہیں غم سے جو خیالات میں اسفل
ہو جاتے ہیں انسان کے اخلاق مکمل
غم نفس کا قاتل ہے تو باطن کی ہے صیقل
مر جاتا ہے جب سانپ نکل جاتے ہیں سب بل

جی کھول کے رونا ہے علاج آنکھ کے تل کا
ہر آہ سے کچھ زہر نکل جاتا ہے دل کا

(۱۱)

تکلیف کو تفریح بنا لینے کی صنعت
حاصل ہے انہیں، جو ہیں پرستارِ حقیقت
آئینہ ہے اسرار کا ہر منظرِ قدرت
وہ چاند کی خنکی ہو کہ سورج کی حرارت

مہمل ہیں یہ لفظیں "یہ بُرا ہے وہ بھلا ہے"
جو کچھ ہے، وہ صرف ایک تبسم کی ضیا ہے

(۱۲)

ہو دوست کے پہلو میں نشیمن تو مسرت
مل جائے اگر راہ میں دشمن تو مسرت
ہو زیرِ قدم سبزۂ گلشن تو مسرت
کانٹوں میں اُلجھ جائے جو دامن تو مسرت

تدبیر اگر وصل کی ہو، رقص کی جا ہے
اور ہجر کی شب ہو تو تڑپنے کا مزا ہے

(۱۳)

دنیا خس و خاشاک ہے، دامن کو ہٹا لے
نازک ہے بہت دل، غمِ ہستی سے بچا لے
اشکوں کے بخارات میں رہ دل کو سنبھالے
دانا ہے جو ہر غم میں خوشی ڈھونڈھ نکالے

کب شیشۂ دل، گردِ تکدر کے لئے ہے
ہر رنج میں آرام، بہادر کے لئے ہے

(۱۴)

پردے کو تعین کے درِ دل سے اٹھا دے
کثرت نہیں وحدت ہے، یہ آنکھوں سے دکھا دے
ہاں بڑھ کے حجابِ رخِ جاناں نہ ہٹا دے
میداں کو حدیں توڑ کے ہموار بنا دے

چوٹی سے چلے کوہ کی، خورشید کا جلوہ
ہستی کی رگ و پے میں ہو توحید کا جلوہ

(۱۵)
جو سعی میں سرگرم ہے دو اس کے ہیں انجام | سرسبز ہو، یا شومیٔ قسمت سے ہو ناکام
سرسبز اگر ہو، تو مسرّت کے چلیں جام | ناکام جو ہو تو بھی پیے بادۂ گلفام

یہ دو وہ دوائیں ہیں جو یکساں ہیں اثر میں
جو یاس میں لذّت ہے، وہی فتح و ظفر میں

(۱۶)
اے دوست بتاتا ہوں تجھے روح کے اسرار | صدموں سے اگر چور ہے تیرا دلِ بیمار
آنکھیں تو اٹھا، دیکھ ذرا حُسن کے انوار | یہ چاند یہ سورج، یہ نباتات یہ کہسار

کیوں تیرے خیالات پریشاں ہیں برادر
اِک غم ہے، تو سَو عیش کے ساماں ہیں برادر

(۱۷)
غنچوں کی حیا، گُل کی ہنسی، اوس کے گوہر | زرتار شفق، سرد ہوا، باغِ معطّر
رنگین گھٹا، قوسِ قزح، مہرِ منوّر | نغمے یہ پرندوں کے، پہاڑوں کے منظر

ہے کون سی خوبی جو مہِ نو میں نہیں ہے
کیا باغِ ارم صبح کے پرتو میں نہیں ہے؟

(۱۸)
یہ غم ہے، وہ راحت ہے، یہ عقبیٰ ہے، یہ دنیا | ان تنگ خیالات کے سائے سے نکل آ
ہر فکر سے منھ پھیر لے، ہر رنج کو ٹھکرا | اونچا ہو، بلندی پہ چھلک، رُوح کو چمکا

محفل میں تصوّف کی تجھے بار ملے گا
ہر سانس میں اِک مصر کا بازار ملے گا

(۱۹)
اُترے گی ترے دل میں ضیائے رُخِ جاناں | کانٹوں میں بھی تجھ کو نظر آئیں گے گلستاں
آنکھیں ترے تلووں سے ملیں گے جن و انساں | جنّت سے ہوا دے گا تجھے حُور کا داماں

غُل حشر میں ہوگا کہ یہ حیدرؑ کا شرابی
آتا ہے وہ مے خانۂ کوثر کا شرابی

(۲۰)

آزاد بھی ہو کشمکشِ سود و زیاں سے
ہاں دل کو بچا تیرگیٔ آہ و فغاں سے
لمحے جو گذرتے ہیں، پھر آئینگے کہاں سے
باہر تو نکل وہم کے تاریک مکاں سے

پھیلی ہے جہاں میں رُخِ جاناں کی تجلّی
وہ دیکھ بلندی پہ ہے عرفاں کی تجلّی

(۲۱)

اس راہِ مہمات میں آ، گر ہے جواں مرد
یہ راہ ہے جس میں نہیں اُڑتی ہے کبھی گرد
چہرے کبھی اس راہ میں ہوتے ہی نہیں زرد
پھولوں کی مہک آتی ہے چلتی ہے ہوا سرد

دنیا ہے یہ وہ جسمیں فلک ہے نہ زمیں ہے
ذرّے میں یہاں وہ ہے جو سورج میں نہیں ہے

(۲۲)

طے ہوتی ہے یاں دل کے دھڑکنے سے مسافت
سائے کی نہ حاجت ہے نہ ساماں کی ضرورت
اس راہ میں آنکھیں بھی اٹھاؤ تو نحوست
اس بزم میں گر سانس بھی لیجے تو کثافت

نسبت کچھ اسے عالمِ ظاہر سے نہیں ہے
کچھ بحث یہاں مومن و کافر سے نہیں ہے

(۲۳)

کیا خوب ہیں اس انجمنِ خاص کے دستور
بے قدر ہے، جبتک کہ نہ ہو شیشۂ دل چور
آتا نہیں کچھ عقل میں، ہوتے ہیں وہ مذکور
دوزخ میں وہی شے ہے جو چمکی تھی سرِ طور

ذرّے میں جو ہے، مہرِ درخشاں میں وہی ہے
جو کفر کے سینے میں ہے ایماں میں وہی ہے

(۲۴)

اس بزم کے آداب ہیں سرچشمۂ حکمت
آرام سے وحشت ہے تو لذات سے نفرت
پھر جائے جو ہستی سے نظر عین سعادت
دل پھیلے ہر بات سے دھڑکے تو عبادت

ہر دن جو گزرتا ہے یہاں ایک صدی ہے
اس دائرے میں "موت" حیاتِ ابدی ہے

۲۵
صحت میں نہیں جسکی یہاں نقص وہ بیمار
کاموں میں جو دنیا کے ہے مشغول وہ بیکار
آنے نہیں پاتے کبھی اس بزم میں زردار
زردار کے معنی ہیں کہ محتاج ہے نادار
دولت کی حقیقت کوئی سمجھی نہیں جاتی
منعم کی یہاں بات بھی پوچھی نہیں جاتی

۲۶
اس راہ میں جو یاد کرے دوست کو غافل
اس سے یہ نکلتا ہے ابھی دُور ہے منزل
معشوق سے ہر وقت جنہیں قرب ہے حاصل
کس کو وہ کریں یاد؟ بتائے کوئی عاقل
دل آہ کبھی وصل میں بھرتا ہو تو کہہ دو
اپنے کو کوئی یاد جو کرتا ہو تو کہہ دو

۲۷
جس کا یہ عقیدہ ہے کہ "میں عبد وہ معبود"
اس بزم کا قانون یہ کہتا ہے "وہ مردود"
سب ایک حقیقت میں ہیں، ساجد ہو کہ مسجود
ہے کفر یہ کہنا " یہ ایاز اور وہ محمود"
یاں لفظِ " اَنَا الحق" میں " اَنَا" باعثِ شر ہے
اس سے یہ ٹپکتا ہے خودی پیشِ نظر ہے

۲۸
ہر دل کو یہاں کام ہے تسلیم و رضا سے
ہر لب کو یہاں عید ہے تسبیحِ خدا سے
کیا اس سے سروکار ہے بھوکے ہوں کہ پیاسے
پرہیز بڑا یہ ہے کہ نفرت ہو دوا سے
دعوت میں یہاں بھوک ہے، خلعت میں کفن ہے
انعام یہاں سب سے بڑا دار و رسن ہے

۲۹
اِک روز ہوا شوق مرے دل میں یہ پیدا
اس راہ سے گزرے ہیں جو نام آور دیکھا
حالات بھی کچھ اُنکے میں دیکھوں کہ وہ تھے کیا
اِس شوق میں تاریخ کے اوراق کو اُلٹا
فہرست میں اِک نام تھا جو سب سے جلی تھا
مژدہ ہو کہ وہ نام حسینؑ ابن علیؑ تھا

۳۰

قربان ترے نام کے اے میرے بہادر
تو جانِ سیاست تھا، تو ایمانِ تدبر
معلوم تھا باطل کے مٹانے کا تجھے گُر
کرتا ہے تری ذات پہ اسلام تفاخر
سُوکھے ہوئے ہونٹوں پہ صداقت کا سبق تھا
تلوار کے نیچے بھی وہی نعرۂ حق تھا

۳۱

شعلے کو سیاہی سے ملایا نہیں تُو نے
سر کفر کی چوکھٹ پہ جھکایا نہیں تُو نے
وہ کون سا غم تھا جو اٹھایا نہیں تُو نے
بیعت کیلئے ہاتھ بڑھایا نہیں تُو نے
دامانِ وفا، گھر کے شریروں میں نہ چھوڑا
جو راستہ سیدھا تھا وہ تیروں میں نہ چھوڑا

۳۲

ہر چند کہ ایوبؑ بھی اس فن میں تھے یکتا
یونسؑ نے بھی اک حد تک اسے خوب نبھایا
یعقوبؑ نے بھی زورِ تحمل کا دکھایا
پر سب سے رہا بڑھ کے محمدؐ کا نواسا
حیرت میں پیمبر ہوئے وہ کر کے دکھایا
مرتے نہیں کس طرح، اسے مر کے دکھایا

۳۳

کرتا ہوں رقم معرکہ اب کرب و بلا کا
طوفان تھا، سیلاب تھا اربابِ جفا کا
سینوں میں تلاطم ہو، وہ ساماں تھا وغا کا
بشاش مگر دل تھا امامِ دوسرا کا
ماتھے پہ شکن تھی، نہ بدن غرقِ عرق تھا
رُخ پر وہ صباحت تھی کہ سونے کا ورق تھا

۳۴

فرماتے تھے سب قتل ہوئے صبر کے بانی
قاسمؑ کہ تھا سم خوردہ برادر کی نشانی
اور حسن میں اکبرؑ تھا مرا یوسفِ ثانی
عباسؑ تھا اسلام کی بھرپور جوانی
سینے میں خلش، لب پہ مرے آہ نہیں ہے
ہر چند اب ان میں کوئی ہمراہ نہیں ہے

لشکر کی طرف دیکھ کے کہتے تھے یہ ہر بار ۳۵ یہ طبل و علم ہیچ، یہ انبوہ ہے بے کار
انجام پہ کر غور ذرا شمرِ بد اطوار کس شے نے کیا ہے تجھے اس جور پہ طیار
فاسق کے لئے جنگِ امام دوسرا سے
بندہ کہیں منھ پھیر کے چلتا ہے خدا سے؟

اے شمر! کوئی چیز ہے، یہ فوج گنہگار ۳۶ دنیا بھی اُمنڈ آئے تو پروا نہیں زنہار
مرعوب مجھے کر نہیں سکتے یہ سیہ کار باطل سے بھی دبتے ہیں کہیں حق کے طرفدار
نازاں ہے کہ سردار ہوں میں فوجِ ستم کا
سررشتہ مرے ہاتھ میں ہے لوح و قلم کا

اس باپ کا بیٹا ہوں جو تھا اشجعِ عالم ۳۷ جس فرق پہ تھا سایہ فگن فتح کا پرچم
جس ذات سے اسلام کی بنیاد تھی محکم تھا اصل میں جو قوتِ پیغمبرِ اکرمؐ
طفلی میں بھی سالم نت کو اژدر کو نہ چھوڑا
بے توڑے ہوئے قلعۂ خیبر کو نہ چھوڑا

جس روز مدینے کو سدھارے تھے پیمبرؐ ۳۸ اس روز برادر کی جگہ پر تھا برادر
ہر چند کہ تیغوں کی چمک تھی سرِ بستر سوتا تھا بڑے لطف سے تانے ہوئے چادر
دنیا میں کوئی ایسا جری ہو نہیں سکتا
جس طرح وہ سوئے تھے، کوئی سو نہیں سکتا

یوں سامنے آ آ کے اکڑنا نہیں اچھا ۳۹ ایمان سے اس طرح بگڑنا نہیں اچھا
نادان! بُری بات پہ اَڑنا نہیں اچھا دنیا کے لئے دین سے لڑنا نہیں اچھا
ناپاک نہ بن دولتِ ناپاک کے بدلے
اکسیر کو ٹھکراتا ہے کیوں خاک کے بدلے

(۴۰)

ثروت جو زیادہ ہو تو ایماں نہیں رہتا
انساں یہ وہ شے ہے کہ انساں نہیں رہتا
آسودگیٔ روح کا ساماں نہیں رہتا
دل انجمنِ حسن کے شایاں نہیں رہتا
دولت کو بہت لوگ یہ کہتے ہیں خدا ہے
میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ زر ایک وبا ہے

(۴۱)

ہوں خواہشیں محدود تو ایذا نہیں ہوتی
ارماں جو ہوں کم، زر کی تمنا نہیں ہوتی
قانع کو کسی چیز کی پروا نہیں ہوتی
مومن پہ مسلط کبھی دنیا نہیں ہوتی
سلطاں بھی ہو جو صاحبِ حاجت تو گدا ہے
جس کو کوئی حاجت ہی نہیں ہے وہ خدا ہے

(۴۲)

اے بندۂ زر! چونک، مناسب نہیں غفلت
معلوم نہیں کیا تجھے دنیا کی حقیقت؟
کس نیند میں ہے؟ چھوڑ بھی باطل کی محبت
آ حق کی طرف، دیکھ یہ حوریں یہ جنت
حوریں ہوں کہ فردوس، یہ ادنیٰ سا صلا ہے
خود حق میں وہ لذت ہے جو ان سب سے سوا ہے

(۴۳)

دنیا ہے دنی، ہیچ ہے دنیا کا زر و مال
تذلیل کی بنیاد ہیں یہ حشمت و اجلال
ادبار کوئی چیز ہے در اصل نہ اقبال
وہ سر بھی کوئی سر ہے جو ہونے کو ہے پامال
بیدار ہیں دل جن کے وہ دنیا سے خفا ہیں
جو پھول کے طالب ہیں وہ کانٹوں سے جدا ہیں

(۴۴)

تکلیف کے اسباب کو راحت نہیں کہتے
جو چند نفس ہو، اسے لذت نہیں کہتے
طوفانِ مصائب کو مسرت نہیں کہتے
جس شے کو فنا ہو اسے نعمت نہیں کہتے
آرام کی خواہش نہ کرو قوتِ زر سے
لبریز کرو روح کو اللہ کے ڈر سے

غدّار زمانے کی رکاوٹ سے خبردار
بیدار ہو، بیدار ہو، ہشیار ہو، ہشیار
۴۵
جھوٹی یہ امیدیں ہیں پریشان ہیں افکار
کس نشّے میں بدمست ہے دنیا کے طلبگار

یہ شاخ ہے وہ جو کبھی پھولی نہ پھلی ہے
دنیا تجھے نادان کدھر لے کے چلی ہے

کھینچے لئے جاتا ہے کہاں تجکو زمانہ
سننے کے سزاوار نہیں ہے یہ فسانہ
۴۶
دولت ہی کوئی اصل میں شے ہے نہ خزانہ
دھوکا ہے یہ دھوکا ہے، بہانہ ہے بہانہ

واللہ کہ تو حرص کے سانچے میں ڈھلا ہے
حق چھوڑ کے باطل کی پرستش کو چلا ہے

دنیا جسے کہتے ہیں کثافت کا ہے انبار
خنزیر کی ہڈی سے بھی کچھ بڑھ کے ہے مُردار
۴۷
ناپاک ہے، بداصل ہے، کم ظرف ہے بدکار
مُردار شکم اس کا، تو پشت اسکی ہے بیمار

مبروص کے داغوں سے عفونت میں سوا ہے
ذلّت کا یہ لقمہ ہے، سگوں کی یہ غذا ہے

تو فخر سے کہتا ہے جسے "عیش و تنعّم"
وہ خواب کی جنت ہے، وہ فردوس توہّم
۴۸
نالے ہی کی روداد ہیں، نغمہ کہ ترنّم
ہے مہر فغاں روشنئ ماہ تبسّم

تو جس کو سمجھتا ہے کہ فردوس بریں ہے
دُھندلی سی مسرت کا وہ سایہ بھی نہیں ہے

جا گورِ غریباں پہ نظر ڈال بہ عبرت
کھُل جائے گی تجھ پر تری دنیا کی حقیقت
۴۹
عبرت کیلئے ڈھونڈھ کسی شاہ کی تربت
اور پوچھ کدھر ہے وہ تری شانِ حکومت

کل تجھ میں بھرا تھا جو غرور آج کہاں ہے؟
اے کاسۂ سر بول ترا تاج کہاں ہے؟

یہ کہہ کے جو مولا نے نظر کی سوئے کفار ⁦(۵۰)⁩ تھا سر کو جھکائے ہوئے ہر ایک سیہ کار
ہر شخص کے چہرے پہ خجالت کے تھے آثار ⁦ ⁩ یہ رنگ جو دیکھا تو کہا شمر نے بیدار

ہشیار! مراتب کے طلب گار جوانو!
ہو جاؤ بس اب جنگ پہ تیار جوانو!

تقریر میں کامل ہیں بہت حضرت شبیرؑ ⁦(۵۱)⁩ ہو جاؤ گے گمراہ اگر ہو گئی تاثیر
کیا دیر ہے؟ میداں میں بڑھو تول کے شمشیر ⁦ ⁩ یہ زر ہے، یہ دولت ہے، یہ منصب ہے، یہ جاگیر

ہو جاؤ گے بشاش وہ انعام ملے گا
کہتا ہوں کئی پشت تک آرام ملے گا

کفار کو یہ شمر نے لالچ جو دلائی ⁦(۵۲)⁩ دنیا نے بصد ناز جھلک اپنی دکھائی
جھنکار میں تیغوں کی بڑے ناز سے آئی ⁦ ⁩ سینوں میں در آئی تو کلیجوں میں سمائی

سب بھول کے دنیا کی طرف ہو گئے ظالم
کروٹ ابھی بدلی تھی کہ پھر سو گئے ظالم

دنیا کے تماشے سے ہوئے اہل جفا کور ⁦(۵۳)⁩ تلواریں کھنچیں میان سے، قرنا کا اٹھا شور
گھوڑوں کو نچانے لگے میداں میں شہ زور ⁦ ⁩ ڈھالیں جو اٹھیں رن میں گھٹا چھا گئی گھنگھور

سایہ کیا پر کھول کے ہیبت نے فضا پر
چوٹیں وہ تواتر سے پڑیں طبلِ وغا پر

حضرت نے کہا شکر ہے کامل ہوئی حجت ⁦(۵۴)⁩ ہو جائیگی اب اُمتِ بیمار کو صحت
اے خالقِ کونین یہ بندے پہ عنایت ⁦ ⁩ بخشی ہے مجھے خدمتِ تکمیلِ نبوت

ڈرتا ہوں خوشی کی کہیں تکمیل نہ ہو جائے
اشکوں میں لہو جسم کا تبدیل نہ ہو جائے

ہر چند بظاہر یہ مصیبت کے ہیں ساماں (۵۵) جب دیکھتا ہوں غور سے، کچھ راز ہیں پنہاں
ظاہر میں جو کانٹے ہیں وہ در پردہ گلستاں یہ گرد نہیں، حضرت یوسفؑ کا ہے داماں
ہاتھوں پہ لیے تاج صداقت نکل آئی
جب چاک ہوا، عیش کی صورت نکل آئی

بس اتنے میں ناگاہ برسنے جو لگے تیر (۵۶) خیمے کی طرف دیکھ کے چپ ہو گئے شبیرؑ
گھوڑے کو بڑھا کر یہ پکارے شہِ دلگیر مجبور ہوں، اب کھینچتا ہوں میاں سے شمشیر
ہنگامِ وغا برق ہوں، طوفاں ہوں غضب میں
ہشیار کہ میں روحِ شجاعانِ عرب ہوں

وہ سامنے آئے جسے مرنا ہو گوارا (۵۷) بہتا نظر آئے گا یہاں خون کا دھارا
گھٹ جائیگا دم بھر میں ابھی زور تمہارا رہتا ہے سدا حق کا بلندی پہ ستارا
جنگاہ میں باطل کے قدم گڑ نہیں سکتے
دیکھو کہے دیتا ہوں کہ تم لڑ نہیں سکتے

جو سخت ہے، جرأت کبھی اس دل میں نہیں ہے (۵۸) حق، حق نہ رہے، زور یہ باطل میں نہیں ہے
سطوت کی صفت، فرقۂ غافل میں نہیں ہے ہمت کا نشاں، فطرتِ جاہل میں نہیں ہے
نامرد کبھی تابِ جفا لا نہیں سکتا
کافر کبھی مومن پہ ظفر پا نہیں سکتا

جس قلب میں ہے کفر، وہ دوزخ کا دھواں ہے (۵۹) جس دل میں معارف ہیں، وہ اک برقِ تپاں ہے
باطل کا جو حامی ہے، وہ بے نام و نشاں ہے جو حق کا طرفدار ہے، اک شیرِ ژیاں ہے
سچائی کے قدموں پہ سرِ فتح و ظفر ہے
جرأت بھی اسی سمت ہے، ایماں جدھر ہے

(٦٠)

جو لوگ کہ ڈر جاتے ہیں بادل کی صدا سے — کانپ اٹھتے ہیں بچّوں کی طرح ذکرِ وغا سے
جب ہوتی ہے مذہب کی کشش فضلِ خدا سے — لڑ جاتے ہیں، دبتے نہیں اربابِ جفا سے
ہرگز نہ ڈرو کفر سے ایماں کا سبق ہے
انکی یہ شجاعت نہیں، یہ قوتِ حق ہے

(٦١)

بزدل میں بھی جب قوتِ حق بھرتی ہے جرأت — اتنی بھی نہ حق کیا مجھے بخشے گا جلالت
دکھلا دوں میں تم کو کہ یہ ہوتی ہے شجاعت — حاصل ہے مجھے قوتِ حق زورِ امامت
یہ جنگ کا طوفان ہے کچھ سیر نہیں ہے
میدان سے ہٹ جاؤ کہ اب خیر نہیں ہے

(٦٢)

مولا کا مزاج اتنا جو برہم نظر آیا — لشکر پہ عجب خوف کا عالم نظر آیا
سامانِ جفا درہم و برہم نظر آیا — کی جس ہر خیرہ پہ نظر خم نظر آیا
خاموش صفیں یاس کے عالم میں کھڑی تھیں
مردہ تھیں نگاہیں کہ زمینوں میں گڑی تھیں

(٦٣)

لکھا ہے ادھر تھا بنِ قطبہ کوئی سردار — مرحب سے بھی کچھ بڑھ کے شجاعت میں نمودار
بدمست کئی من کا، سجے جسم پہ ہتھیار — نعرہ تھا کہ خالی نہیں جاتا ہے مرا وار
دو سَو تھے زرہ پوش ستم گار کے پیچھے
جس طرح کہ بل کھاتی ہے دُم مار کے پیچھے

(٦٤)

آیا عجب انداز میں میداں میں ستم گر — ڈوبا ہوا فولاد کے ساماں میں سراسر
کف منھ میں، لہو جوش میں، غصّے سے جبیں تر — ہتھیاروں کی آواز، تو وہ زین کی چرمر
دل میں تھا غضب، نشۂ پندار تھا سر میں
اک تیغ تو تھی ہاتھ میں اور ایک کمر میں

اس طرح جو آیا وہ قریبِ شہِ ابرار ۔۔ مولا نے کہا "نارِ جہنّم کے طلب گار"
بے دیر مناسب نہیں، ہاں وار بس اب ار ۔۔ جوہر جو دکھانا ہوں تو بڑھ تول کے تلوار
ہم وہ ہیں کہ دشمن پہ بھی شدت نہیں کرتے
جو حق کے پرستار ہیں سبقت نہیں کرتے

(۶۵)

یہ سن کے بڑھا تول کے نیزہ جو وہ گمراہ ۔۔ رستم کی صدا آئی کہ "اَلعَظمتُ لِلّٰہ"
نیزے کو ابھی اس نے گھمایا تھا کہ ناگاہ ۔۔ ترچھی ہوئی اس شان سے شمشیرِ یدُاللہ
کم بخت کے نیزے کے لئے ضربِ فنا تھی
اس حُسن سے کاٹا تھا کہ ہر پور جُدا تھی

(۶۶)

غصّے میں کماں لیکے بڑھا تب وہ ستم گار ۔۔ بے رحم نے چلّے سے بڑھایا لبِ سوفار
شبّیر نے یہ دیکھ کے چمکایا جو رہوار ۔۔ نیزے پہ اڑا لائے کماں سیدِ ابرار
ظالم نے کماں دیکھی جو نیزے کی اَنی پر
اک تیر سا گویا کہ لگا قلبِ شقی پر

(۶۷)

شرمایا تو نامرد بڑھا تول کے تلوار ۔۔ "تا دیر شہِ دیں پہ تو اُترے سے کئے وار
بھینسے کی طرح ہانپ رہا تھا وہ بد اطوار ۔۔ حضرت نے کہا "اب مری باری ہے خبردار"
اتنی تو خبر تھی کہ چلی فرقِ لعیں پر
دیکھا تو اُتر آئی تھی مرکب سے زمیں پر

(۶۸)

خوں پونچھ کے حضرت نے کیا نعرۂ تکبیر ۔۔ تلوار سے ہنس کر یہ کہا، واہ ری شمشیر
چلتی ہے تو کرتی نہیں دم بھر کی بھی تاخیر ۔۔ کس حُسن سے تو کھینچتی ہے موت کی تصویر
تو موت کا سیلاب ہے تو برقِ فنا ہے
پیغام اجل کا ترے دامن کی ہوا ہے

(۶۹)

مارا گیا اس طرح جو لشکر کا نمودار
چہرے سے اُڑے رنگ، وہ گھبرا گئے کفار
حضرت نے ڈپٹ کر یہ کہا "فوج بد اطوار"
بڑھتا نہیں تم میں سے کوئی کھینچ کے تلوار
سردار کے مرنے کا تمہیں درد نہیں ہے
کیا اتنے جوانوں میں کوئی مرد نہیں ہے
(۷۰)

یہ فوج کا انبوہ، یہ میں یکہ و تنہا
مارا ہوا صدموں کا کئی روز کا پیاسا
یہ کیا ہے کہ لاکھوں کو نہیں جنگ کا یارا؟
تُف اے سپہ شام! شجاعت وہ ہوئی کیا
تم لرزہ بر اندام ہو عزت گئی سب کی
تکلیف میں رو دیں ہیں شجاعانِ عرب کی
(۷۱)

یہ سُن کے بھی جب کوئی نہ میدان میں آیا
خود اُن کی طرف آپ نے گھوڑے کو بڑھایا
تلوار چمکنے لگی، گرنے لگے اعدا
دو ہو گیا کوئی، کوئی تڑپا، کوئی بھاگا
آنکھوں میں چکا چوند تھی حیران تھے ستمگر
آپس میں مگر دست و گریباں تھے ستمگر
(۷۲)

جس سمت جھپٹتا تھا وہ شیرِ صفِ جنگاہ
گر گر کے فنا ہوتے تھے وہ گھوڑوں سے بدخواہ
کفار میں تھا شور کہ "اَلْعَظْمَتُ لِلّٰہ"
آتے بھی ہیں شیروں کے مقابل کہیں روباہ
ترتیب صفوں میں تھی، نہ وہ شان پروں کی
برسات کا طوفاں تھا یا بارش تھی سروں کی
(۷۳)

کیا جوہرِ شمشیر تھا، کیا زورِ شجاعت
نزدیک کوئی آئے، نہ پڑتی تھی یہ ہمت
تابندہ خط و خال میں تھی برقِ امامت
حیدرؓ کی جو سطوت تھی تو حمزہؓ کی جلالت
شمشیر نہ تھی، فوج پہ بجلی کی چمک تھی
یا ابرِ سیہ تاب میں کوندے کی لپک تھی
(۷۴)

جس سر پہ چلی پیکر بے جان نظر آیا — جس سمت گئی، خون کا طوفاں نظر آیا (۷۵)
اونچی جو ہوئی، برق کا داماں نظر آیا — نیچی جو ہوئی قہر کا ساماں نظر آیا
تلوار تھی، یا ساز، کہ نغمہ تھا ستم اُس کا
تھا مرکزِ آوازِ فنا زیر و بم اُس کا

مصروف ابھی جنگ میں تھے حضرتِ شبیرؑ — آواز اک آئی کہ "بس اب روک لے شمشیر (۷۶)
لازم ہے کچھ اُمت کی شفاعت کی بھی تدبیر — پی جامِ شہادت کہ بڑھے عزت و توقیر
طوفاں سے بچا حق کو، لہو اپنا بہا دے
اُمت کو، بہادر ہے تو اب مر کے جلا دے

جھنکار سے میدانِ وغا گونج رہا تھا — ناگاہ پئے صبر و رضا حکم جو پہنچا (۷۷)
یوں میاں میں چلتی ہوئی تلوار کو رکھا — غل جن و ملائک میں اٹھا صلِّ علیٰ کا
ایمان کی ڈوبی ہوئی نبضیں اُبھر آئیں
خدمت کیلئے چرخ سے حوریں اُتر آئیں

ذروں پہ جو سجدے میں جھکے حضرتِ شبیرؑ — چلنے لگے ہر سمت سے تیغ و تبر و تیر (۷۸)
بے کس پہ چمکنے لگی شمشیر پہ شمشیر — سر پیٹ کے کہنے لگی یہ زینبؑ دلگیر
چھوٹوں گی نہ اس غم میں کبھی نوحہ گری سے
آندھی کا تصادم ہے چراغِ سحری سے

ہے ہے کوئی عباسؑ دلاور کو پکارو — بابا یہ بُرا وقت ہے اکبرؑ کو پکارو (۷۹)
اکبرؑ نہیں ملتے ہیں تو اصغرؑ کو پکارو — بیٹے پہ چھُری چلتی ہے حیدرؑ کو پکارو
زہراؑ کی دہائی ہے پیمبر کی دہائی
پھٹتا ہے جگر خالقِ اکبر کی دہائی

۸۰

حضرت نے جو زینبؑ کی سنی گریہ وزاری
چپ ہو گئے وہ قلب پہ حالت ہوئی طاری
تلواریں لگانے لگے بڑھ بڑھ کے جو ناری
مولا نے کہا شکر ہے اے ایزدِ باری
کٹتا ہے گلا بھائی کا ہمشیر کے آگے
تدبیر سرِ خاک ہے تقدیر کے آگے

۸۱

تڑپے جو کئی بار زمیں پر شہِ والا
سمجھے یہ ملائک کہ قیامت ہوئی برپا
خیمے کو بڑی یاس سے مظلوم نے دیکھا
اتنے میں کسی سمت سے اک تیر وہ آیا
پامال صفِ لشکرِ غم ہو گئے مولا
دل میں وہ اٹھا درد کہ خم ہو گئے مولا

۸۲

رک رک کے جو تلوار چلی خشک گلے پر
زہراؑ کی صدا آئی کہ "آہستہ ستم گر"
حیدرؑ نے بڑے پیار سے زانو پہ لیا سر
گردوں کی طرف دیکھ کے بولے یہ پیمبرؐ
شکوہ نہیں نکلا مرے پیاسے کے لبوں سے
نکلی ہے مری روح نواسے کے لبوں سے

۸۳

ناشاد تری بیکسی و یاس کے قرباں
نازک یہ ترا جسم یہ تپتا ہوا میداں
ٹکڑے یہ بدن کے یہ ردا خون میں غلطاں
ذروں پہ ہیں قرآن کے اوراق پریشاں
بے کس ترے اکبرؑ کی جوانی کے تصدق
مظلوم! تری تشنہ دہانی کے تصدق

۸۴

تو اور سرِ خاک مرے گیسوؤں والے
یہ دل، یہ بلائیں، یہ زباں اور یہ چھالے
اس پیاس میں گردن پہ چھری جسم پہ بھالے
افسوس ہے اے فاطمہؑ کے ناز کے پالے
عبرت کا وہ منظر ہے کہ خود ظلم خجل ہے
یہ لاش نہیں خاک پہ اسلام کا دل ہے

(٨٥)

یہ شام کا ہنگام ، یہ اندوہ ، یہ میداں یہ ہُو کا سماں اور یہ سنسان بیاباں
رانڈوں میں تلاطم ہے اداسی کے ہیں ساماں سوتے ہیں پڑے شام سے خیمے کے نگہباں
غم اتنے ہیں اور ایک بھی غم خوار نہیں ہے
جز ذاتِ خدا کوئی مددگار نہیں ہے

(٨٦)

سیدانیوں کے بیچ میں ہیں عابدِ مضطر منھ دیکھتی ہے سب کا سکینہؑ ہے وہ ششدر
ہاتھوں سے جگر تھام کے کہتے ہیں پیمبرؐ بیٹا! یہ ستمگر کی انی اور ترا سر
آثار ابھی تک مری الفت کے عیاں ہیں
اس حلق پہ ابتک مرے بوسوں کے نشاں ہیں

(٨٧)

مصروف پیمبرؐ تھے ابھی آہ و بکا میں آہستہ سے جنبش سی ہوئی موجِ ہوا میں
آواز اک آئی "نہ تڑپ دشتِ بلا میں" سر رکھا ہے شبیرؑ کا حوروں کی ردا میں
اس خون کو ہر خون سے ممتاز کیا ہے
ہم نے ترے بچے کو سرافراز کیا ہے

(٨٨)

اے جوشؔ یہ ابتک ہے اُسی خون کی تاثیر ہوتی ہے بالاعلان بڑی شان سے تکبیر
اب بھی جنہیں ملتی ہے رہِ عشق میں تعزیر صد شکر کہ خوش ہو کے پہن لیتے ہیں زنجیر
ڈرتے ہی نہیں دیکھ کے جلاد کی صورت
زنداں میں چلے جاتے ہیں سجاد کی صورت

(٨٩)

اک کھیل ہے ان کیلئے شاہوں کی جلالت سینوں میں ہے ایمان زبانوں پہ صداقت
کوشش ہے کہ آزاد ہوں پابندِ مصیبت سر جائے تو جائے ، نہ گرے تاجِ خلافت
تقدیر ہے جس قلب میں ایمان کی بُو ہے
پنجاب کے ناکردہ گناہوں کا لہُو ہے

۹۰

بے درد کی حسرت کو نکلتے نہیں دیکھا
کاغذ کی کبھی ناؤ کو چلتے نہیں دیکھا
ظالم کو کبھی پھولتے پھلتے نہیں دیکھا
ٹھوکر ہے یہ وہ، جس سے سنبھلتے نہیں دیکھا

وہ تخت ہے کس قبر میں وہ تاج کہاں ہے
اے خاک بتا زورِ یزید آج کہاں ہے

۹۱

احساس نہیں جس میں وہ تاریک ہے سینہ
دوزخ میں اُترتا ہے سدا ظلم کا زینہ
پستی کی علامات ہیں، انصاف سے کینہ
جو حق سے لڑا ڈوب گیا اس کا سفینہ

ہاں پیروِ باطل کو اُبھرتے نہیں دیکھا
جب زُلف یہ بگڑی تو سنورتے نہیں دیکھا

۹۲

اے قوم! وہی پھر ہے تباہی کا زمانہ
اسلام ہے پھر تیرِ حوادث کا نشانہ
کیوں چُپ ہے؟ اُسی شان سے پھر چھیڑ ترانہ
تاریخ میں رہ جائے گا مردوں کا فسانہ

مٹتے ہوئے اسلام کا پھر نام جلی ہو
لازم ہے کہ ہر فرد حسینؑ ابنِ علیؑ ہو

شمعِ ہدایت

اے کہ ترے جلال سے ہل گئی بزم کافری
رعشۂ خوف بن گیا رقصِ بتانِ آذری

تیری پیمبری کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے
بخشا گدائے راہ کو تو نے شکوہِ قیصری

سلجھا ہوا تھا کس قدر تیرا دماغِ حق رسی
پگھلا ہوا تھا کس قدر تیرا دلِ پیمبری

چشمہ ترے بیاں کا غارِ حرا کی خامشی
نغمہ ترے سکوت کا نعرۂ فتحِ خیبری

زمزمہ تیرے ساز کا لحنِ بلالِ حق نوا
صاعقہ تیرے ابر کا لرزشِ روحِ بوذری

آئینہ تیرے خلق کا طبعِ حسنؑ کی سادگی
جذبہ تیرے عروج کا آلِ عبا کی برتری

جھکیاں تیرے ناز کی جنبشِ کاکلِ حسینؑ
رنگ ترے نیاز کا گردشِ چشمِ جعفری

شان ترے ثبات کی عزمِ شہیدِ کربلاؑ
شرح ترے جلال کی ضربتِ دستِ حیدری

رنگ ترے شباب کا جلوۂ اکبرِؑ قتیل
نقش ترے شکیب کا خونِ گلوئے اصغریؑ

تیرا لباسِ فاخرہ چادرِ کہنۂ بتولؑ
تیری غذائے خوش مزا نانِ شعیرِ حیدریؑ

تجھ پہ نثار جان و دل مڑ کے ذرا یہ دیکھ لے
دیکھ رہی ہے کس طرح ہم کو نگاہِ کافری

اُٹھ کہ ترے دیار میں پرچمِ کفر کھل گیا
دیر نہ کر کہ پڑ گئی صحنِ حرم میں ابتری

ہمراز، یہ فسانۂ آہ و فغاں، نہ پوچھ

بند، ۶۸

تصنیف ——— ۱۹۴۱ء

کیا صِرف مُسلمان کے پیارے ہیں حسینؑ
چرخِ نوعِ بشر کے تارے ہیں حسینؑ
انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پُکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

ہمراز! یہ فسانۂ آہ و فغاں نہ پوچھ (۱) دو دن کی زندگی کا غمِ این و آں، نہ پوچھ
کیا کیا حیاتِ ارض کی ہیں تلخیاں، نہ پوچھ — کس درجہ ہولناک ہے یہ داستاں، نہ پوچھ

تفصیل سے کہوں، تو فلک کانپنے لگے
دوزخ بھی فرطِ شرم سے منہ ڈھانپنے لگے

دنیا کی ہر خوشی ہے غم و درد سے دوچار (۲) ہر قہقہے کی گونج میں ہے چشمِ اشکبار
کیا خار و خس کہ وہ تو ہیں معتوبِ روزگار — نسرین و نسترن میں بھی پنہاں ہے نوکِ خار

نغمے میں جنبشِ دلِ مضطر لئے ہوئے
گل برگ تک ہے بُرّشِ خنجر لئے ہوئے

یارانِ سرفروش و نگارانِ مہ جبیں (۳) آبِ نشاط و لعلِ لب و زلفِ عنبریں
کوئے مغاں و بوئے گل و روئے دلنشیں — زور و زن و ذکاوت و ذہن و زر و زمیں

جو شے بھی ہے وہ درد کا پہلو لئے ہوئے
ہر گوہرِ نشاط ہے آنسو لئے ہوئے

بیگانۂ حدود ہے انساں کی آرزو (۴) پیچیدہ ہر نظر میں ہے اک تازہ جستجو
تھمتی نہیں کہیں بھی تمنائے برق خو — ساقی کا وہ کرم ہے کہ بھرتا نہیں سبو

ارماں کی شاہراہ میں، منزل نہیں کوئی
اس بحرِ بے کنار کا ساحل نہیں کوئی

(٥)

اس لیلیٔ حیات کی اللہ ری دارو گیر — ہر لوچ، اک کمان ہے، ہر ناز، ایک تیر

اس کے کرم میں بھی وہ حرارت ہے ہم صفیر — جس کے مقابلے میں جہنم ہے، زم ہریر

اُلجھے جو اس کے گیسوئے پیچاں کے جال میں

لگ جائے آگ، دامنِ قطبِ شمال میں

(٦)

امراض سے کسی کا بڑھاپا ہے اک وبال — آلام سے کسی کی جوانی ہے پائمال

اِسکو ہے خوفِ ننگ، اُسے نام کا خیال — روزی سے کوئی تنگ کوئی عشق سے نڈھال

ہر سانس ہے نوید، عذابِ عظیم کی

گھبرا کے دو دُہائی "خدائے رحیم" کی

(٧)

اس خوں چکاں حیات کے آلام، کیا کہوں — قدرت نہیں فسانۂ ایام کیا کہوں

دارائے کائنات کے انعام کیا کہوں — یہ داستانِ مرحمتِ عام کیا کہوں

کہدوں، تو دل سے خون کا چشمہ اُبل پڑے

اور چپ رہوں تو منہ سے کلیجہ نکل پڑے

(٨)

نوعِ بشر پہ ہے جو عقوبت، نہ پوچھیے — سفّاک زندگی کی شقاوت، نہ پوچھیے

جورِ حیات و جبرِ مشیّت، نہ پوچھیے — کتنا رقیق ہے دلِ قدرت، نہ پوچھیے

سو سال اگر خزاں کے، تو دو دن بہار کے

قربان ہجومِ رحمتِ پروردگار کے!

(٩)

یوں تو غمِ معاش کا سوزِ نہاں ہے اور — تکلیفِ جاں گدازیٔ عشقِ بتاں ہے اور

تشنگی شیب و عذابِ خزاں ہے اور — اعلانِ امرِ حق کی مگر داستاں ہے اور

"گفتارِ صدق، مایۂ آزاد می شود

چوں حرفِ حق بلند شود، دار می شود" (صائب)

ہاں، اس بلا سے کوئی بلا بھی بڑی نہیں
کیا اس کو علم، جس پہ یہ بپتا پڑی نہیں

(١٠)

کشتوں کی اس کے لاش بھی اکثر گڑی نہیں
اعلانِ امرِ حق سے کوئی شے کڑی نہیں
بے جرم، خود کو جرم میں جو باندھ لے وہ آئے
اس راہ میں جو سر سے کفن باندھ لے وہ آئے

تکلیفِ رشد و کاہشِ تبلیغ، الاماں
یہ دائرہ ہے، دائرۂ مرگِ ناگہاں

(١١)

پیہم یہاں سروں پہ کڑکتی ہیں بجلیاں
بارِ الم سے بولنے لگتے ہیں استخواں
ہر گام پہ، حیات کے چہرے کو فق کرے
مرنا جو چاہتا ہو، وہ اعلانِ حق کرے

کیسے کوئی عزیز، روایات چھوڑ دے
کچھ کھیل ہے کہ کہنہ حکایات چھوڑ دے

(١٢)

گھٹی میں تھے جو حل، وہ خیالات چھوڑ دے
ماں کا مزاج، باپ کی عادات چھوڑ دے
کس جی سے کوئی رشتۂ اوہام توڑ دے
ورثے میں جو ملے ہیں وہ اصنام توڑ دے

اوہام کا رباب، قدامت کا ارغنوں
فرسودگی کا سحر، روایات کا فسوں

(١٣)

اقوال کا مراق، حکایات کا جنوں
رسم و رواج و صحبت و میراث و نسل و خوں
افسوس یہ وہ حلقۂ دامِ خیال ہے
جس سے بڑے بڑوں کا نکلنا محال ہے

اس بزمِ ساحری میں، جہالت کا ذکر کیا
خود علم کے حواس بھی رہتے نہیں بجا

(١٤)

اوہام جب دلوں میں بجاتے ہیں دائرا
عقلوں کو سوجھتا ہی نہیں رقص کے سوا
تاریخ جھومتی ہے فسانوں کے غول میں
بوڑھے بھی ناچتے ہیں جوانوں کے غول میں

جس دائرے میں قصرِ قدامت کا ہو طواف — جدّت کے "جرم" کو کوئی کرتا نہ ہو معاف
بگڑے ہوئے رسوم کا ذہنوں پہ ہو غلاف — آواز کون اٹھائے وہاں جہل کے خلاف (۱۵)

آواز اٹھائے، موت کی جو آرزو کرے
ورنہ مجال ہے کہ یہاں گفتگو کرے

ہوتا ہے جو سماج میں جویائے انقلاب — ملتا ہے اُسکو مرتد و زندیق کا خطاب
پہلے تو اسکو آنکھ دکھاتے ہیں شیخ و شاب — اس پر بھی وہ نہ چپ ہو تو پھر قوم کا عتاب (۱۶)

بڑھتا ہے ظلم و جور کے تیور لئے ہوئے
تشنیع و طعن و دشنہ و خنجر لئے ہوئے

اٹھتا ہے غلغلہ کہ یہ زندیقِ نامراد — کج فکر و کج نگاہ و کج اخلاق و کج نہاد
پھیلا رہا ہے عالمِ اخلاق میں فساد — اے صاحبانِ جذبۂ دیرینۂ جہاد (۱۷)

ہاں جلد اٹھو، تباہیٔ باطل کے واسطے
جنّت ہے ایسے شخص کے قاتل کے واسطے

اور بالخصوص جب ہو حکومت کا سامنا — رعبِ شکوہ و جاہ و جلالت کا سامنا
شاہانِ کج کلاہ کی ہیبت کا سامنا — قرنا و طبل و ناوک و رایت کا سامنا (۱۸)

لاکھوں میں ہے وہ ایک، کروڑوں میں فرد ہے
اس وقت جو ثبات دکھائے وہ مرد ہے

اور بالخصوص بند ہو جب ہر درِ نجات — حق تشنہ لب ہو دشت میں باطل لبِ فرات
دستِ اجل میں ہو زن و فرزند تک کی ذات — حائل ہو مرگ و زیست میں لے دیکے ایک رات (۱۹)

یہ وہ گھڑی ہے کانپ اُٹھے شیرِ نر کا دل
اس تہلکے کو چاہیئے فوق البشر کا دل

۲۰

وہ کربلا کی رات، وہ ظلمت ڈراؤنی
وہ مرگِ بے پناہ کے سائے میں زندگی
خیموں کے گرد و پیش وہ پُر ہول خامشی
خاموشیوں میں دُور سے وہ چاپ موت کی
تھی پشتِ وقت بارِ الم سے جُھکی ہوئی
ارض و سما کی سانس تھی گویا رُکی ہوئی

۲۱

وہ اہلِ حق کی تشنہ دہاں، مختصر سپاہ
باطل کا وہ ہجوم کہ اللہ کی پناہ
وہ ظلمتوں کے دام میں زہراؑ کے مہر و ماہ
تارے وہ فرطِ غم سے جھکائے ہوئے نگاہ
وہ دل بجھے ہوئے وہ ہوائیں تھمی ہوئی
وہ اک بہن کی، بھائی پہ نظریں جمی ہوئی

۲۲

لبریز زہرِ جور سے وہ دشت کا ایاغ
دکھتے ہوئے وہ دل وہ تپکتے ہوئے دماغ
آنکھوں کی پتلیوں سے عیاں وہ دھوئیں کے داغ
پُرہول ظلمتوں میں وہ سہمے ہوئے چراغ
بکھرے ہوئے ہوا میں وہ گیسو رسولؐ کے
تاروں کی روشنی میں وہ آنسو بتولؑ کے

۲۳

وہ رات، وہ فرات وہ موجوں کا خلفشار
عابدؑ کی کروٹوں پہ وہ بے چارگی کا بار
وہ زلزلوں کی زد پہ خواتین کا وقار
اصغرؑ کا پیچ و تاب وہ جھولے میں بار بار
اصغرؑ میں پیچ و تاب نہ تھا اضطراب کا
وہ دل دھڑک رہا تھا رسالت مآبؐ کا

۲۴

وہ رات جب امام کی گونجی تھی یہ صدا
اے دوستانِ صادق و یارانِ باصفا
باقی نہیں رہا ہے کوئی اور مرحلہ
اب سامنا ہے موت کا اور صرف موت کا
آنے ہی پر بلائیں ہیں اب تحت وثوق سے
جانا جو چاہتا ہے، چلا جائے شوق سے

اور سنتے ہی یہ بات بصد کرب و اضطراب	۲۵	شبیرؑ کو دیا تھا یہ انصار نے جواب
دیکھیں جو ہم یہ خواب بھی اے ابنِ بوترابؑ		واللہ فرطِ شرم سے ہو جائیں آب آب

قرباں نہ ہو جو آپ سے والا صفات پر
لعنت اس امن و عیش پہ تف اس حیات پر

کیا آپ کا خیال ہے یہ شاہِ ذی حشم!	۲۶	ہم ہیں اسیرِ سود و زیاں صید کیف و کم
خود دیکھ لیجیے گا کہ گاڑیں گے جب قدم		ہٹنا تو کیا ہلیں گے نہ دشتِ وغا سے ہم

پتلے ہیں ہم حدید کے پیکر ہیں سنگ کے
انساں نہیں، پہاڑ ہیں میدانِ جنگ کے

ہاں ہاں وہ رات، دہشت و بیم و رجا کی رات	۲۷	افسونِ جاں کنی و طلسم قضا کی رات
لب تشنگانِ ذریتِ مصطفا کی رات		جو حشر سے عظیم تھی وہ کربلا کی رات

شبیرؑ نے حیات کا عنواں بنا دیا
اس رات کو بھی مہرِ درخشاں بنا دیا

تاریخ دے رہی ہے یہ آواز دمبدم	۲۸	دشتِ ثبات و عزم ہے، دشت بلا و غم
صبرِ مسیح و جرأتِ سقراط کی قسم		اس راہ میں ہے صرف اک انسان کا قدم

جس کی رگوں میں آتشِ بدر و حنین ہے
جس سورما کا اسمِ گرامی حسینؑ ہے

جو صاحبِ مزاجِ نبوت تھا، وہ حسینؑ	۲۹	جو وارثِ ضمیرِ رسالت تھا، وہ حسینؑ
جو خلوتی شاہدِ قدرت تھا، وہ حسینؑ		جس کا وجود، فخرِ مشیت تھا وہ حسینؑ

سانچے میں ڈھالنے کے لئے کائنات کو
جو تولتا تھا نوکِ مژہ پر حیات کو

جو اک نشانِ تشنہ دہانی تھا، وہ حسینؑ ؎ گیتی پہ عرش کی جو نشانی تھا، وہ حسینؑ

۳۰

جو خلد کا امیرِ جوانی تھا، وہ حسینؑ ؎ جو اک سنِ جدید کا بانی تھا، وہ حسینؑ

جس کا لہو تلاطمِ پنہاں لئے ہوئے

ہر بوند میں تھا نوحؑ کا طوفاں لئے ہوئے

جو کاروانِ عزم کا رہبر تھا، وہ حسینؑ ؎ خود اپنے خون کا جو شناور تھا وہ حسینؑ

۳۱

اک دینِ تازہ کا جو پیمبر تھا وہ حسینؑ ؎ جو کربلا کا داورِ محشر تھا وہ حسینؑ

جس کی نظر پہ شیوۂ حق کا مدار تھا

جو رُوحِ انقلاب کا پروردگار تھا

ہاں اب بھی جو منارۂ عظمت ہے وہ حسینؑ ؎ جس کی نگاہ، مرگِ عداوت ہے وہ حسینؑ

۳۲

اب بھی جو محورِ محبت ہے وہ حسینؑ ؎ آدم کی جو دلیلِ شرافت ہے وہ حسینؑ

وہ جو اک نمونہ ہے ذبحِ عظیم کا

اللہ رے انتخاب، خدائے حکیم کا

ہاں وہ حسینؑ، جس کا ارادہ آشنا ثبات ؎ کہتا ہے گاہ گاہ حکیموں سے بھی یہ بات

۳۳

یعنی درونِ پردۂ صد رنگِ کائنات ؎ اک کارساز ذہن ہے، اک ذی شعور ذات

سجدوں سے کھینچتا ہے جو "مسجود" کی طرف

تنہا جو اک اشارہ ہے "معبود" کی طرف

جس کا وجود، عدل و مساوات کی مُراد ؎ جو کردگارِ امن تھا، پیغمبرِ جہاد

۳۴

تحویل زندگی میں پئے دفعِ ہر فساد ؎ قدرت کی اک امانتِ زریں ہے جس کی یاد

سوزاں ہے قلبِ خاک، جو خونِ حسینؑ سے

اک لَو نکل رہی ہے ابھی تک زمین سے

(۳۵)

عزت پہ جس نے سر کو فدا کر کے دم لیا
صدق و منافقت کو جدا کر کے دم لیا
حق کو ابد کا تاج عطا کر کے دم لیا
جس نے یزیدیت کو فنا کر کے دم لیا
فتنوں کو جس پہ ناز تھا وہ دل بجھا دیا
جس نے چراغِ دولتِ باطل بجھا دیا

(۳۶)

عالم میں ہو چکا ہے مسلسل یہ تجربا
قوت ہی زندگی کی رہی ہے گرہ کشا
سرِ ضعف کا ہمیشہ رہا ہے جھکا ہوا
ناطاقتی کی موت ہے، طاقت کا سامنا
طاقت سی شے مگر خجل و بدنصیب تھی
ناطاقتی حسینؑ کی کتنی عجیب تھی

(۳۷)

طاقت سی شے کو خاک میں جس نے ملا دیا
تختہ اُلٹ کے، قصرِ حکومت کو ڈھا دیا
جس نے ہوا پہ رعبِ امارت اڑا دیا
ٹھوکر سے جس نے افسرِ شاہی گرا دیا
اس طرح جس سے ظلم، سیہ فام ہو گیا
لفظِ یزید، داخلِ دشنام ہو گیا

(۳۸)

پانی سے "میں روزہ ہوئے جس کے لب نہ تر
تیغ و تبر کو سونپ دیا جس نے گھر کا گھر
جو مر گیا ضمیر کی عزت کے نام پر
ذلت کے آستان پہ جھکایا مگر نہ سر
لی جس نے سانس، رشتۂ شاہی کو توڑ کر
جس نے کلائی موت کی رکھ دی مروڑ کر

(۳۹)

جس کی جبیں پہ کج ہے خود اپنے لہو کا تاج
جو مرگ و زندگی کا ہے اک طرفہ امتزاج
سر دے دیا، مگر نہ دیا ظلم کو خراج
جس کے لہو نے رکھ لی تمام انبیاء کی لاج
سنتا نہ کوئی دہر میں صدق و صفا کی بات
جس مردِ سرفروش نے رکھ لی "خدا" کی بات

(۴۰)

ہر چند اہلِ جور نے چاہا یہ بارہا
ہو جائے محو یادِ شہیدانِ کربلا
باقی رہے نہ نام زمیں پر حسینؑ کا
لیکن کسی کا زور عزیزو نہ چل سکا

عباسؑ نامور کے لہو سے دُھلا ہوا
اب بھی حُسینیت کا علم ہے کھُلا ہوا

(۴۱)

یہ صبحِ انقلاب کی جو آج کل ہے ضَو
یہ جو مچل رہی ہے صَبا پھٹ رہی ہے پَو
یہ جو چراغِ ظلم کی تھرا رہی ہے لَو
در پردہ یہ حسینؑ کے انفاس کی ہے رَو

حق کے چھڑے ہوئے ہیں جو یہ ساز، دوستو
یہ بھی اُسی جری کی ہے آواز، دوستو

(۴۲)

جس کا ہجوم درد و الم سے یہ حال تھا
سینہ تھا پاش پاش، جگر پائمال تھا
رُخ پر تھا تشنگی کا دھواں دل نڈھال تھا
اِس کرب میں بھی جس کو فقط یہ خیال تھا

آتش برس رہی ہے تو برسے خیام پر
آنے نہ پائے آنچ مگر حق کے نام پر

(۴۳)

ہر چند ایک شاخ، چمن میں ہری نہ تھی
ماتھا عرق عرق تھا، لبوں پر تری نہ تھی
باطل کی ان بلاؤں پہ بھی چاکری نہ تھی
یہ ذاوری تھی اصل میں پیغمبری نہ تھی

رنگ اُڑ گیا حکومتِ بدعت شعار کا
عزمِ حسینؑ، عزم تھا پروردگار کا

(۴۴)

تھی جس کے دوشِ پاک پہ اہلِ وِلا کی لاش
انصارِ سرفروش کی لاش، اقربا کی لاش
عباسؑ سے مجاہدِ تیغ آزما کی لاش
قاسمؑ سے شاہزادۂ گلگوں قبا کی لاش

پھر بھی یہ دُھن تھی صبر کی زلفوں سے بل نہ جائے
اِس خوف سے کہ حق کا جنازہ نکل نہ جائے

۴۵

زار و نزار و تشنہ و مجروح و ناتواں — تنہا کھڑا ہوا تھا جو لاکھوں کے درمیاں
گھیرے ہوئے تھے جس کو تیر و تبر ناوک و سناں — اور سو رہا تھا موت کے بستر پہ کارواں
اتنا نہ تھا کہ حقِ رفاقت سے کام لے
گرنے لگیں اگر تو کوئی بڑھ کے تھام لے

۴۶

ہاں وہ حسینؑ، خستہ و مجروح و ناتواں — ساکت کھڑا ہوا تھا جو لاشوں کے درمیاں
سنتا رہا سکون سے جو پیرِ نیم جاں — اکبرؑ سے ماہ رو کی جوانی کی ہچکیاں
ہے ہے کی آ رہی تھی صدا کائنات سے
پھر بھی قدم ہٹائے نہ راہِ ثبات سے

۴۷

ہاں اے حسینؑ تشنہ و رنجور، السلام — اے میہمانِ عرصۂ بے نور، السلام
اے شمعِ حلقۂ شبِ عاشور، السلام — اے سینۂ حیات کے ناسور، السلام
اے ساحلِ فرات کے پیاسے ترے نثار
اے آخری نبیؐ کے نواسے ترے نثار

۴۸

ہاں اے حسینؑ بیکس و ناچار، السلام! — اے کشتگانِ عشق کے سردار، السلام
اے سوگوارِ یاور و انصار، السلام — اے کاروانِ مُردہ کے سالار، السلام
افسوس اے وطن سے نکالے ہوئے حسینؑ
اے فاطمہؑ کی گود کے پالے ہوئے حسینؑ

۴۹

تو، اور تیرے حلق پہ تلوار، ہائے ہائے — زنجیر اور عابدِ بیمار، ہائے ہائے
زینبؑ کا سر کھلے، سرِ بازار ہائے ہائے — سر تیرا اور یزید کا دربار ہائے ہائے
انسان، اس طرح اُتر آئے عناد پر
لعنت خدا کی حشر تک ابنِ زیاد پر

تجھ سا شہید کون ہے عالم میں اے حسینؑ — تو ہے ہر ایک دیدۂ پُرنم میں اے حسینؑ

(۵۰)

زُہاد ہی نہیں ہیں ترے غم میں اے حسینؑ — ہم رند بھی ہیں حلقۂ ماتم میں اے حسینؑ

آزاد جو خیال میں ہیں اور کلام میں
وہ بھی اسیر ہیں تری زلفوں کے دام میں

یوں تو دُرونِ سینۂ تاریخِ روزگار — دولت ہے بے حساب جواہر ہیں بے شمار

(۵۱)

لیکن ترا وجود ہے اے مردِ حق شعار — عزمِ بشر کی واحد و بے مثل یادگار

تکتا ہے تجھ کو وقتِ جہاں سوز دُور سے
تو ہے بلند، ضربِ سنین و شہور سے

اس باغِ دہر میں پئے تفسیرِ رنگ و بو — یوں تو ہے ہر روش پہ اک انبار گفتگو

(۵۲)

لیکن برائے گوشِ حکیمانِ رازجُو — عالم میں صرف اک سخن گفتنی ہے تو

مردانگی کے طُور کا تنہا کلیم ہے
تو سینۂ حیات کا قلبِ سلیم ہے

اے رہبرِ خجستہ و اے ہادیٔ غیور! — تو حافظے کا ناز ہے تاریخ کا غرور

(۵۳)

اب بھی ترے نشانِ قدم سے ہے وہ سُرور — تو ہے جبینِ وقت پہ غلطاں ہے موجِ نُور

تو ہے وہ مہر، دفترِ عزم و ثبات پر
ابتک دمک رہی ہے جو پُشتِ حیات پر

ہاں اے حسینؑ، ابنِ علیؑ، رہبرِ انام — اے منبرِ خودی کے حیات آفریں پیام

(۵۴)

اے نطقِ زندگی کے مقدس ترین نام — اے چرخِ انقلاب کے ابرِ جواں خرام

غازہ ہے تیرا خون، رُخِ کائنات کا
ہر قطرہ "کوہِ نور" ہے تاجِ حیات کا

(۵۵)

جس بحرِ ظلم و جور کے گرداب میں تھا تو
نازل پہاڑ پر ہو تو بن جائے آبِ جو
سینے میں ابر کے نہ رہے روحِ رنگ و بو
آہن کے جوہروں سے ٹپکنے لگے لہو
یخ تک بہ رنگِ آتشِ دوزخ دہک پڑے
ماتھے سے آگ کے بھی پسینہ ٹپک پڑے

(۵۶)

اے خنجرِ برہنہ و اے تیغِ بے نیام
اے حق نواز امیرِ نبوت بدوش امام
اے تیرگی کی بزم میں خورشید کے پیام
اے آسمانِ درسِ عمل کے مہِ تمام
رہتی ردائے شام کی ظلمت ہی دین پر
ہوتا نہ تو، تو صبح نہ ہوتی زمین پر

(۵۷)

پھر حق ہے آفتابِ لبِ بام اے حسینؑ
پھر بزمِ آب و گل میں ہے کہرام اے حسینؑ
پھر زندگی ہے سست و سبک گام اے حسینؑ
پھر حُرّیت ہے موردِ الزام اے حسینؑ
ذوقِ فساد و ولولۂ شر لیے ہوئے
پھر عصرِ نو کے شمر ہیں خنجر لیے ہوئے

(۵۸)

ہاں خاتمِ حیاتِ ابد کا نگیں ہے تو
گردونِ گیر و دار کا مہرِ مبیں ہے تو
اک زندہ حدِ فاصلِ دنیا و دیں ہے تو
کونین کا تخیّلِ عہد آفریں ہے تو
پھر دشتِ جنگ کو ہے ترا انتظار، اٹھ
اُٹھ روزگارِ تازہ کے پروردگار، اُٹھ

(۵۹)

مجروح پھر ہے عدل و مساوات کا شعار
اس بیسویں صدی میں ہے پھر طرفہ انتشار
پھر نائبِ یزید ہیں دنیا کے شہریار
پھر کربلائے نو سے ہے نوعِ بشر دوچار
اے زندگی جلالِ شہِ مشرقین دے
اس تازہ کربلا کو بھی عزمِ حسینؑ دے

پھر گرم ہے فساد کا بازار، دوستو — سرمایہ پھر ہے برسرِ آزار، دوستو

تا کیسے یہ خوفِ اندک و بسیار، دوستو — تلوار، ہاں اُٹھی ہوئی تلوار، دوستو

(٦٠)

جو تیز تر ہو خونِ امارت کو چاٹ کر

رکھ دے جو سیم و زر کے پہاڑوں کو کاٹ کر

بل کھا رہے ہیں دہر میں پھر سیم و زر کے ناگ — گونجے ہوئے ہیں گنبدِ گرداں میں غم کے راگ

پھر موت، رخشِ زیست کی تھامے ہوئے ہے باگ — تا آسماں بلند ہوا ہے زندگی کی آگ

(٦١)

فتنے کو اپنی آنچ کے جھولے میں جھونک دے

ہاں پھونک دے قبائے امارت کو پھونک دے

اے دوستو! فرات کے پانی کا واسطہ — آلِ نبیؐ کی تشنہ دہانی کا واسطہ

شبیرؑ کے لہو کی روانی کا واسطہ — اکبرؑ کی ناتمام جوانی کا واسطہ

(٦٢)

بڑھتی ہوئی جوان امنگوں سے کام لو

ہاں تھام لو، حسینؑ کے دامن کو تھام لو

آئینِ کشمکش سے ہے دنیا کی زیب و زین — ہر گام ایک "بدر" ہو ہر سانس اک "حنین"

بڑھتے رہو یونہیں پئے تسخیرِ مشرقین — سینوں میں بجلیاں ہوں زبانوں پہ "یاحسینؑ"

(٦٣)

تم حیدری ہو، سینۂ اژدر کو پھاڑ دو

اس خیبرِ جدید کا در بھی اکھاڑ دو

جاری رہے کچھ اور یونہیں کاوشِ ستیز — ہر وار، بے پناہ ہو، ہر ضرب، لرزہ خیز

وہ فوجِ ظلم و جور ہوئی مائلِ گریز — اے خون، اور گرم ہو، اے نبض اور تیز

(٦٤)

عفریتِ ظلم کانپ رہا ہے اماں نہ پائے

دیو فساد ہانپ رہا ہے، اماں نہ ملے

٦٥

تاخیر کا یہ وقت نہیں ہے دلاورو — آواز دے رہا ہے زمانہ، بڑھو، بڑھو
ایسے میں باڑھ پر ہے جوانی، بڑھے چلو — گرجو مثالِ رعد، گرج کر برس پڑو

ہاں زخم خوردہ شیر کی ڈہکار، دوستو
جھنکار ذوالفقار کی جھنکار، دوستو

٦٦

اے حاملانِ آتشِ سوزاں، بڑھے چلو — اے پیروانِ شاہِ شہیداں، بڑھے چلو
اے فاتحانِ صرصر و طوفاں، بڑھے چلو — اے صاحبانِ ہمتِ یزداں، بڑھے چلو

تلوار، شمرِ عصر کے سینے میں بھونک دو
ہاں جھونک دو، یزید کو دوزخ میں جھونک دو

٦٧

دیکھو، وہ ختمِ ظلم کی حد ہے، بڑھے چلو — اپنا ہی خود یہ وقتِ مدد ہے، بڑھے چلو
بڑھنے میں عزتِ ابد ہے بڑھے چلو — وہ سامنے حیاتِ ابد ہے، بڑھے چلو

اُلٹے رہو کچھ اور یونہیں آستین کو
اُٹھی ہے آستین تو پلٹ دو زمین کو

٦٨

اے جانشینِ حیدرِ کرّار المدد — اے منچلوں کے قافلہ سالار المدد
اے امرِ حق کی گرمیٔ بازار المدد — اے جنسِ زندگی کے خریدار المدد

دُنیا تری نظیرِ شہادت لئے ہوئے
اب تک کھڑی ہے شمعِ ہدایت لئے ہوئے

مرثیہ ۳

موجد و مفکرؑ

مُسکرا کر جب ہوئی طالع تمدّن کی سحر

بند، ۱۱۵

تصنیف ـــــــ ۱۹۵۶ء

○

سینے پہ مرے نقشِ قدم کس کا ہے

رندی میں یہ اجلال و حشم کس کا ہے

زاہد مِرے اس ہات کے ساغر کو نہ دیکھ

یہ دیکھ کہ اس سر پہ علم کس کا ہے

○

مُسکرا کر جب ہوئی طالع تمدن کی سحر ۔۔۔ جنگلوں سے شہر کی جانب مڑی فکرِ بشر
(۱)
رسمسائی آرزوئے بام چونکا ذوقِ در ۔۔۔ کشتِ خاکِ تار میں اُگنے لگے شمس و قمر

خوشۂ حسن زمیں یوں ناز سے پکنے لگا
داب کر دانتوں میں انگلی آسماں تکنے لگا

جب اشاروں کو صدا بن کر بکھرنا آگیا ۔۔۔ اور صدا کو لفظ میں ڈھل کر ابھرنا آگیا
(۲)
لفظ کو پھر حرف بن کر گل کترنا آگیا ۔۔۔ خاکِ صامت کو بالآخر بات کرنا آگیا

لب ہلے تو کشتیاں چلنے لگیں اعجاز کی
فکرِ انساں کو سواری مل گئی آواز کی

منتشر افراد کو مل جل کے رہنا آگیا ۔۔۔ آدمی کو ایں و آں کی آنچ سہنا آگیا
(۳)
وقت کے دھارے کو با ترتیب بہنا آگیا ۔۔۔ حجلۂ احساس میں پھولوں کا گہنا آگیا

ناز سے زلفِ لطافت کی گرہ کھلنے لگی
پھول کے کانٹے پہ روحِ گلستاں تلنے لگی

سر جھکایا جہل نے پھر علم کے دربار میں ۔۔۔ دائرے بننے لگے جنبش ہوئی پرکار میں
(۴)
آئینے کا ذوق جاگا خاطرِ زنگار میں ۔۔۔ سبزۂ ارشاد لہکا گلشنِ گفتار میں

اور پھر سبزے کے تختوں میں روانی آگئی
نوعِ انساں کی مسیں بھیگیں جوانی آگئی

شاہ راہِ عام ترشی، مانگ نکلی شہر کی ⑤ روشنی کی موج نے اس مانگ میں افشاں بھری
تابِ افشاں جدولِ منقش میں ڈھل کر بہی زندگی کی نبض ذوقِ شب روی چلنے لگی

سازِ شب سے نغمہ ہائے صبح دم پیدا ہوئے
بستیاں مڑنے لگیں گلیوں میں خم پیدا ہوئے

آرزوئے خانہ آرائی کی شمعیں جل اٹھیں ⑥ کُن سُنا کر صنعتِ نوخیز نے آنکھیں ملیں
سادہ رُخ تعمیر نے بیونتی قبا ماہ وٹیں سر پہ رکھ کر گنبدوں کے قمقمے ناچی زمیں

سنگریزے پنے پہ چپنے جھکے منارے بن گئے
کروٹیں ذرّوں نے کچھ یوں لیں کہ تارے بن گئے

ہر نفس بڑھنے لگی پھر زندگی آتش بجاں ⑦ مے چکاں و مشک بیز و مہر بیز و مہ فشاں
پُرفشاں، جنباں جہاں، رزاں دواں ترساں دواں نغمہ خواں، گریاں خراماں خوش عناں جولاں تپاں

پتھروں کو پیستی لوہے کو پگھلاتی ہوئی
کوہساروں کے دھوئیں میں پیچ و خم کھاتی ہوئی

خشک و تر کو جانچتی ارض و سماں کو بھانپتی ⑧ صبح کو نکھرا دکھاتی شام کو مُنھ ڈھانپتی
دوڑتی، بڑھتی، پلٹتی، دندناتی، ہانپتی گنگناتی، گھومتی، گھرتی، گرجتی، کانپتی

بر ربطِ تکرار تخلیقات پر گاتی ہوئی
موت کو نیچا دکھاتی ناز فرماتی ہوئی

آدمی میں رفتہ رفتہ آدمیت آ گئی ⑨ وضع میں تمکین جذبوں میں نزاکت آ گئی
بات میں تاثیر آنکھوں میں مروّت آ گئی رُوح فرسا اجنبیت میں اخوت آ گئی

شورہائے غم گساری کو بھڑکنا آ گیا
دل کو اوروں کی مصیبت میں دھڑکنا آ گیا

۱۰

کہکشاں جیسی نظر چھونے لگی افلاک کو
اور پھر گیتی کی جانب موڑ کر ادراک کو
فکر پرمانے لگی اجرامِ حیرت ناک کو
آدمی گننے لگا ضرباتِ نبضِ خاک کو

ذہن کے میزان میں تابانیاں تُلنے لگیں
چادرِ ارض و سماں کی سلوٹیں کھُلنے لگیں

۱۱

ساعتوں کو، کوک بھرتے ہی روانی مل گئی
گُنگ لمحوں کو گجر کی نغمہ خوانی مل گئی
ہر دقیقے کو منظم پر فشانی مل گئی
عمر کے دھارے کو لوہے کی کمانی مل گئی

سوئیوں کی رد میں لمحوں کو چٹکنا آگیا
وقت کو آغوشِ آہن میں چہکنا آگیا

۱۲

ناز سے جُزوِ مکاں بن کر زماں گانے لگا
زمزمے چھیڑے زمیں نے آسماں گانے لگا
طائروں کا ذکر کیا خود آشیاں گانے لگا
چمنیوں میں کارخانوں کا دُھواں گانے لگا

حوصلے نوعِ بشر کے ناز فرمانے لگے
ہات باندھے آب و آتش کے خواص آنے لگے

۱۳

دیدہ و رخسار اور گوش و زباں کے درمیاں
ایک دریائے ہم آغوشی ہوا گویا رواں
فاصلوں کی چھُٹ گئیں نبضیں پئے بعدِ مکاں
آگیا کھِنچ کر بالآخر ایک مرکز پہ جہاں

اور یوں آواز محوِ قطعِ منزل ہو گئی
عکس کو بھی قوّتِ پرواز حاصل ہو گئی

۱۴

آتشیں پوشاک پہنی علم ایجاد نے
برف کی سرد کاندھے پر شرارے لاد نے
موم کی گردن میں باہیں ڈال دیں فولاد نے
ٹوپیاں بدلیں بصد اخلاص برق و باد نے

دوڑتے آئے یکایک باہمی امداد کو
یوں اکائی نے پکارا منتشر اعداد کو

۱۵

شعلگی کے نقطہ ہائے شو تک اُڑ لے گئے
سطحِ بینائی پہ تاروں کے گہر رولے گئے
سائے تک ناپے گئے اور عکس تک تولے گئے
انجم و ذرات کے بندِ قبا کھولے گئے

عرش تک فرشِ زمیں کی ہمّت عالی گئی
شعلہ و شبنم میں بل دے کر گرہ ڈالی گئی

۱۶

ذوق نکھرا کہکشانی بام و در بننے لگے
سنگریزے آئینے، قطرے گہر بننے لگے
برق پارے مرغ ہائے نامہ بر بننے لگے
آہنی اعصاب ڈھل کر بال و پر بننے لگے

زندگی روحِ ثریا کی طرف جانے لگی
قلبِ انجم کے دھڑکنے کی صدا آنے لگی

۱۷

اس زمیں کی سمت موڑی یوں کہ الوٹے عناں
ارض کے طبقات کو آنے لگیں انگڑائیاں
پردۂ ظلمات سے جھانکے رموزِ ایں و آں
ہڈیوں نے اپنے ڈھانچوں کی سنائی داستاں

تنگ غاروں میں ہوا چلنے لگی پو پھٹ گئی
خفتگانِ خاک کے سر سے دُلائی ہٹ گئی

۱۸

تنگ غاروں سے سلاطینِ کہن پیدا ہوئے
پا بہ گِل ریشوں سے ماضی کے چمن پیدا ہوئے
بُت کدوں نے آنکھ کھولی برہمن پیدا ہوئے
خاک کی خوش بُو اڑی گُل پیرہن پیدا ہوئے

مردہ پروانوں نے آہِ سرد بھر کر بات کی
کشتہ شمعوں نے سنائیں داستانیں رات کی

۱۹

چھیڑ کر ذرّوں کے بربط گنگنایا خاک داں
آ گئی جنبش میں خواب آگیں چٹانوں کی زباں
بول اٹھیں سنگِ خارا کی مرتّب دھاریاں
گونج اٹھی مردہ قرنوں کی پرانی داستاں

نصب ہر ذرّے میں اک پھولوں کا ڈیرا ہو گیا
شام زیرِ ارض کے گھر میں سویرا ہو گیا

وہ جو اوجھل ہو چکے تھے سامنے آنے لگے
جو مغنی مل چکے تھے خاک میں گانے لگے

۲۰

گُل رخانِ دورِ پیشیں بال بکھرانے لگے
خستہ ماہ و سال اِک اِک پور چٹخانے لگے

چادرِ ذوقِ تجسّس میں رفو کرنے لگے
دور ہائے سنگ و آہن گفتگو کرنے لگے

دیدۂ بیدار کی مانند کانیں کھُل گئیں
عصر ہائے مہر بر لب کی زبانیں کھُل گئیں

۲۱

جاگ اٹھے بازارِ ماضی کی دوکانیں کھُل گئیں
گردنِ تاریخِ جاں کی ریسمانیں کھُل گئیں

بڑھ گئے کچھ اور پردے آگہی کے ساز میں
بن بتایا خاک نے اپنا تھکی آواز میں

سینۂ آہن سے اُٹھی موجِ شمشیر و قلم
ذلزلوں میں جھن جھنایا زمزموں کا زیر و بم

۲۲

خاک میں جاگے نقوشِ دیر و ایوانِ حرم
کروٹیں لینے لگے پتھر میں بے ترشے صنم

قبسِ زر میں بستہ کنگن چٹکیاں لینے لگے
موتیوں کو ریشمی ڈورے صدا دینے لگے

تار پر مضراب تھرّائی فضا پر راگنی
نازکی پھوٹی کرن انداز کی چٹکی کلی

۲۳

چھائی عشووں کی گھٹا چھٹکی ادا کی چاندنی
دلرُبائی نے ملیں آنکھیں دلوں سے لَو اُٹھی

جنبشِ مژگاں جنوں کی کشتیاں کھینے لگی
چُبھ گئے نشتر رگِ ہستی لہو دینے لگی

نرگسِ بیمار کو طرزِ تکلّم آگیا
وہ تبسّم جو لئے موجِ ترنّم آگیا

۲۴

وہ تکلّم جس سے ہونٹوں پر تبسّم آگیا
وہ ترنّم جس سے دُنیا میں تلاطُم آگیا

وہ تلاطُم خون میں جس سے روانی آگئی
وہ روانی بازُو پر جس سے جوانی آگئی

نازسے مژگانِ ہستی کو جھپکنا آگیا
زندگی کو لوریاں دینا تھپکنا آگیا
۲۵
آرزو کو وقت کے سینے میں پکنا آگیا
ولولوں پر رس کی بوندوں کو ٹپکنا آگیا

روزِ باران و شبِ مہ کا مزا چکھنے لگیں
فرشِ مخمل پر تمنائیں قدم رکھنے لگیں

بن گیا گلفام ہر اک پارۂ فولاد و سنگ
جھوم اٹھے ارمان، بہکی آرزو ، بہکی ترنگ
۲۶
ذوقِ رنگینی سے اُبھرے نقش ہائے رنگ رنگ
موتیے کی طرح مہکا مہوشوں کا انگ انگ

بند ٹوٹے غرفہ ہائے سیم و زر کھُلنے لگے
ہر طرف گویا صنم خانوں کے در کھلنے لگے

دامنِ فولاد تشریفِ کتاں بننے لگا
شیشہ یوں پگھلا حریرِ دیپرنیاں بننے لگا
۲۷
زہر کا افسردہ آبِ جاودان بننے لگا
سنگ یوں ترشا کہ رُخسارِ بُتاں بننے لگا

بوندیاں کھنکیں، نقاب اُلٹی عذارِ حور سے
بنتِ چنگ و رنگ جھانکی غرفہ انگور سے

پھر درخشاں فکر کی یوں خاک پر برسی شراب
پھر اُڑایا علم نے وہ کوکبِ اجرام یاب
۲۸
ظلمتوں کی کوکھ سے پیدا ہوئے سو ماہ تاب
جس کی رو میں اٹھ رہی ہے ماہِ تاباں کی نقاب

شور برپا ہے کہ میرِ آگہی آنے کو ہے
آسماں پر غلغلے ہیں آدمی آنے کو ہے

جیبِ قدرت صد میں بھر کر قوائے کائنات
ایک اک قطرے کے عقدے سے نچوڑے سو نکات
۲۹
اہلِ غرق و برق نے دم کا دیا رویے حیات
ایک اک ذرے کے حلقے سے اُبھارے سو جہات

ایک اک گوشے سے پہناور جہاں پیدا کئے
کائی کے پلّو سے لاکھوں گلستاں پیدا کئے

(۳۰)

شکریہ کیوں کر ادا ہو اہلِ ایجادات کا — ایک فیاض بہا ہے طرفہ مصنوعات کا
جگمگا اٹھا ہے دن کی طرح مکھڑا رات کا — جسم آہن میں رواں ہے خونِ احساسات کا

یوں اونھوں نے جزدِ خاک اپنا پسینہ کر دیا
دھات کے آلات کو دانا و بینا کر دیا

(۳۱)

جو دُھرا ایجاد کرنے میں ہوا تھا کامیاب — عظمتیں غلطاں ہیں اسکے گرد بے حد و حساب
پُر فشاں پہیے کی ہر گردش بہ فیضِ اضطراب — جیب میں ڈالے ہوئے ہے تو خواہوں کا ثواب

وقت اسکے زیرِ دم ہے حلقۂ جولاں میں ہے
تو سلیمانوں کی ضو اس خاتم رقصاں میں ہے

(۳۲)

صاحبانِ علم و فن ہیں محسنانِ زندگی — ورنہ اب تک ٹھوکروں کی زد پہ ہوتا آدمی
ان کے ذوقِ جستجو پر جھلکیاں ہیں غیب کی — یہ وہ ماتھے ہیں نہیں اٹھتے جو سجدوں سے کبھی

ان میں سے ہر فرد اُویس قرنی و حلاج ہے
سر کا زانو تک پہونچ جانا یہاں معراج ہے

(۳۳)

ان کے آگے موسموں کی سختیاں ہیں شرمسار — کھیلتے رہتے ہیں یہ وحشی عناصر کا شکار
ہاں انھیں کی کارسازی سے بصد عز و وقار — ہم ہیں آب و خاک کے مولیٰ ہوا کے شہریار

رُعب ہے اپنا مسلط کشورِ اضداد پر
کاٹھیاں رکھی ہوئی ہیں پشتِ برق و باد پر

(۳۴)

ان کے حسبِ آرزو منظر دف بن جاتا ہے ظرف — قطرہ بنتا ہے عجوبہ ذرہ بنتا ہے شگرف
آگ بن جاتا ہے پانی برق بن جاتی ہے برف — ان کے دم سے دوڑتا ہے رشتۂ آہن پہ حرف

جب یہ اُڑتے ہیں رواں جلووں کا دامن تھامنے
کانپتے ہیں ثابت و سیار ان کے سامنے

ان میں کوئی خود نوازی کیلئے کوشاں نہیں — صرف اک خدمت کی دُھن ہو دوسرا ارماں نہیں

(۳۵)

مانگ کھائیں کچھ عبادت سے وہ انساں نہیں — یہ خدایا "آدمی" سے اجر کے خواہاں نہیں

حُسن کے خلّاق آبِ رنگ کے بانی ہیں یہ

شہر یارِ کشورِ اجلالِ انسانی ہیں یہ

دل کو لیکن سخت استعجاب ہے اے ہم نشیں — اتنے احسانات کے با وصف یہ روشن جبیں

(۳۶)

بن نہ پائے زیرِ سقفِ آسماں صدرِ زمیں — اور تو اور آدمی کے حافظے تک میں نہیں

نام ان کا دہر کے آفاق بینوں میں نہیں

یہ سفینوں میں تو ہیں موجود سینوں میں نہیں

یہ بظاہر ہے بڑی احساں فراموشی کی بات — حافظوں سے محو ہو جائیں دبیرانِ حیات

(۳۷)

کون سلجھائے مگر خم ہائے زلفِ نفسیات — صرف اُسے انساں سمجھتا ہے امیرِ کائنات

موڑ کر ذہنِ بشر کو گلستانوں کی طرف

جو اُٹھاتا ہے زمیں کو آسمانوں کی طرف

بے شک ایجادات و مصنوعات کی رخشندگی — خاک پر برسا چکی ہے بے نہایت روشنی

(۳۸)

روشنی بھی وہ کہ جس سے وجد میں ہے زندگی — معنوی خدمت کی لیکن بات ہے کچھ اور ہی

گھر کو جو چمکائے وہ شمعِ شبستاں اور ہے

سر کو جو رخشندہ کر دے وہ چراغاں اور ہے

آسمانِ زندگی پر ذہنِ تاباں کا ہلال — مصر کے بازار میں جس طرح یوسف کا جمال

(۳۹)

عقل اگر گُل ہو تو شمعِ کُشتہ ہے ماضی و حال — لاش ہے انساں اگر چلتی نہیں نبضِ خیال

دار و درماں سے مُردوں کا جلانا اور ہے

زندہ انسانوں کو قبروں سے اُٹھانا اور ہے

(۴۰)

دامنِ ہستی کا پھولوں میں بسانا اور ہے — ایک اک کانٹے کے دل میں ڈوب جانا اور ہے
نخلِ تن کا سرو بالا قد بنانا اور ہے — قامتِ دینِ تخیل کا بڑھانا اور ہے
بُعد ہائے بحر و بر کے پر کترنا اور ہے
ارتقائی فاصلوں کا قطع کرنا اور ہے

(۴۱)

گنبدِ افلاک پر اُڑنا، اُڑانا اور ہے — زندگی کا کُن مُنا کر مُسکرانا اور ہے
ثابت و سیار کو قبضے میں لانا اور ہے — آدمی میں آدمی کا چونک جانا اور ہے
گیتی و گردوں کی پہنائی پہ چھانا اور ہے
اس گھنے جنگل میں خود اپنے کو پانا اور ہے

(۴۲)

طبعِ انسانی کو دے سکتا نہیں جو روشنی — نوعِ انسانی کا آقا وہ نہیں بنتا کبھی
آدمی کو جو غذا دیتا نہیں اخلاص کی — اُمتوں کا مقتدا بنتا نہیں وہ آدمی
قبلہ گاہ اس شخص کو انساں بنا سکتا نہیں
جو بشر کے ذہن کو آگے بڑھا سکتا نہیں

(۴۳)

کاہ کی رگ میں جو دوڑاتا ہے خونِ کہکشاں — کھولتا ہے خار کے دل میں جو بابِ گلستاں
گونج اُٹھتی ہے رگِ گردن میں جس کی داستاں — نعرہ بنتا ہے اسی کا نام زیرِ آسماں
شمع رکھتا ہے جو وقتِ پُرفشاں کے طاق میں
تا قیامت گونجتا ہے گنبدِ آفاق میں

(۴۴)

سونپتا ہے جو قلندر کو کلاہِ قیصری — جو بناتا ہے زمیں کو آسماں کا مُشتری
چاکری کے سر پہ رکھتا ہے جو تاجِ سروری — بندگی کو بخشتا ہے جو مزاجِ داوری
کھولتا ہے بابِ خودیابی جو یوں انسان پر
ابنِ آدم جھومنے لگتا ہے اپنی شان پر

جو عمل کے طاق میں رکھتا ہے شمعِ اعتدال ⁽۴۵⁾ ڈالتا ہے خنجرِ بُرّاں پہ جو عکسِ ہلال
بخشتا ہے عارضِ احساس کو جو خدّ و خال — جس کے دم سے سانس لینا سیکھ جاتا ہے خیال

نُور برساتا ہے جو یوں عالمِ ابصار پر
صبح ہو جاتی ہے طالع مطلعِ افکار پر

شامِ بدنظمی کو دیتا ہے جو صبحِ انتظام ⁽۴۶⁾ باغِ دل میں نصب کرتا ہے جو دانش کے خیام
ڈالتا ہے دشتِ فطرت میں جو طرحِ سقف و بام — بخشتا ہے جسمِ حکمت کو جو اعصابی قوام

فکر و فعل و قول پہ رہتا ہے جو چھایا ہوا
جگمگا اٹھتا ہے جس سے قلب گہنایا ہوا

لُطف سے جو موڑتا ہے جادہ ہائے نفسیات ⁽۴۷⁾ جو بدل دیتا ہے آب و رنگِ تصویرِ صفات
جس سے بن جاتا ہے تیری تصوّر ذی حیات — جس سے تنہائی میں روحِ زندگی کرتی ہے بات

محفلِ آفاق میں تابندہ رہتا ہے وہی
نفسِ عالم گیر بن کر زندہ رہتا ہے وہی

جو سمجھتا ہے مَحَلِّ حکمِ تعجیل و درنگ ⁽۴۸⁾ جو حَکَم ہوتا ہے مابینِ اُمورِ صُلح و جنگ
جس کو چھُو کر پنکھڑی کا رُوپ بھر لیتا ہے رنگ — بخشتا ہے جو نقوشِ فکر کو ترتیبِ رنگ

جھُوم کر بادل کی صورت خیمۂ اخلاق پر
پھُول برساتا ہے جو تاریخ کے اوراق پر

مرحمت کرتا ہے سینوں کو دوبارہ جو بشر ⁽۴۹⁾ وقتِ سارق سے متاعِ بردۂ دل چھین کر
نوعِ انساں کو عطا کرتا ہے جو بارِ دگر — آدمی کے دیدۂ باطن کی مسروقہ نظر

اور برآمد کر کے جیبِ دُزد سے ایقان کو
بخشتا ہے جاگتا انسان جو انسان کو

ڈھاتا ہے جو نئے سانچوں میں آئینِ جہاں
جو عمل کے کالبُد میں نفخ کرتا ہے رواں
(۵۰)
جو عطا کرتا ہے فکرِ تازہ کو چشم و زباں
بخشتا ہے جو تخیل کے بدن کو اُستخواں

دن بنا کر خود پرستی کی اندھیری رات کو
جو سکھاتا ہے خرام ناز احساسات کو

بخشتا ہے جو سخن سے قلبِ انساں کو دمک
سیکڑوں ذی ہوش انسانوں کو وقتِ مرگ تک
(۵۱)
جس کے لعل و لغز گو سینوں میں بنتے ہیں دھنک
ہر نفس آتی ہے اپنی سانس سے جس کی مہک

انشراحِ صدر کی مہندی لگا کر پاؤں میں
بیٹھتی ہے زندگی جس کی نظر کی چھاؤں میں

ذہنوں کی سطح کو دیتا ہے جو آبِ گہر
جس کے بھیجے میں گندھے ہوتے ہیں سو شمس و قمر
(۵۲)
جسکے روشن سائے میں پروان چڑھتی ہے نظر
جسکے لفظوں کے اُفق پر جگمگاتی ہے سحر

نام رہتا ہے اُسی کا خاطرِ ممنون میں
جسکے فقرے دوڑتے ہیں آدمی کے خون میں

بخشتا ہے معتدل فکر و عمل کو جو وقار
جس کے ابرِ نُطق سے پانی ہے سیرت برگ و بار
(۵۳)
آندھیوں کو جو بناتا ہے نسیمِ لالہ زار
معنوی آبائے انسانی میں ہوتا ہے شمار

بارشیں قرنوں کی اس کا قصر ڈھا سکتی نہیں
آندھیاں اسکے چراغوں کو بجھا سکتی نہیں

تھا اُنھیں آبائے انسانی میں اِک مردِ جلیل
اعتبارِ موجِ کوثر، آبروئے سلسبیل
(۵۴)
قبلۂ عالم، امامِ عصر، امیرِ بے عدیل
فخرِ اسمٰعیلؑ، جانِ مصطفٰےؐ، نازِ خلیلؑ

محورِ گیتی و گردوں، مرکزِ دنیا و دیں
جہبطِ آوازِ حق، مخدومِ جبریلِ امیںؑ

(۵۵)

شاہِ اربابِ حوادث، شارعِ دینِ وفا
مخزنِ جنسِ ہدایت، مصدرِ صدق و صفا

صاحب امر قدر سلطان آئینِ قضا
شاہدِ گل پیرہن، شہزادۂ رنگیں قبا

کردگارِ عصرِ عرفاں، شہر یارِ زندگی
کشتۂ حق، فاتحِ مرگ، افتخارِ زندگی

(۵۶)

ماہِ ایماں، راہِ عرفاں، شاہِ احساں، جادۂ دیں
شانِ حق، آنِ کرم، جانِ صفا، کانِ یقیں

پورِ حیدر، صورتِ یزداں، نورِ جاں، طورِ مبیں
آبِ ایقاں، بابِ ضو، تابِ فلک، دابِ زمیں

اوجِ بامِ دل نوازی، موجِ بحرِ التفات
بدرِ چرخِ سرفروشی، صدرِ بزمِ کائنات

(۵۷)

عالمِ اسرارِ عالم، عارفِ ذات و صفات
ناظمِ شہرِ ثقافت، ناشرِ اخلاقیات

ناصرِ حق، پیکرِ آئین، دستورِ نجات
نازشِ تاریخ، میرِ دقت، دارائے حیات

حرفِ دیں، نطقِ مبیں، درسِ عمل، فخرِ ملل
بربطِ دستِ مشیت، نغمۂ سازِ ازل

(۵۸)

مطلعِ مہرِ شہادت، مشرقِ ماہِ شہود
مصلحِ اوضاعِ ہستی، معنیِ حرفِ وجود

منزلِ اشراق، معراجِ بشر، موجِ صعود
منبرِ الطاف، محرابِ کرم، میزانِ جود

مظہرِ حسنِ عمل شمعِ حریمِ حیدری
مورثِ اقطابِ عالم، وارثِ پیغمبری

(۵۹)

منکسر، خوددار، شبنم طبع، صفدر، بردبار
صبر پیماں، شام گستر، روز در شب زندہ دار

تاج کوب، اورنگ سوز، ایواں شکن، سلطاں شکار
اوصیا اجلال، پیغمبر حشم، یزداں وقار

جامعِ ابریق و سنداں صاحبِ سیف و قلم
چترِ حق بالائے سر تاجِ شہاں زیرِ قدم

(۶۰)

شمعِ عرفاں، آفتابِ رُشد، قندیلِ اُصول — مشعلِ بابِ نبوّت، کعبۂ حُسنِ قبول
بوستانِ مرتضیٰ، فردوسِ آغوشِ بتولؑ — زینتِ آورنگِ قُدرت، راکبِ دوشِ رسُولؐ

اسمِ اعظم در بغل گل ہائے عرفاں در کُلاہ
خُلد بر کف آسماں بر دوش کُرسی بر نگاہ

(۶۱)

ہاں اسی کے دور میں گیتی پہ چھایا تھا جنُوں — آدمی پر چل گیا تھا حُبِّ دولت کا فسُوں
بج رہے تھے منبروں پر سیم و زر کے ارغنوں — حملہ آور ہو گئی تھی دین پر دُنیائے دُوں

ظلمتوں کے ٹھٹ لگے تھے روشنی کے سامنے
موت مُنھ کھولے کھڑی تھی زندگی کے سامنے

(۶۲)

خیر و شر کے قاعدے سُود و زیاں کے ضابطے — زیست کے محکم اُصول، انسانیت کے مسئلے
کیف و کم کی مشعلیں اقدارِ نازک کے دیئے — رہگذارِ باد پر رکھے ہوئے تھے دیر سے

بڑھ چکے تھے برق و طوفاں سفینوں کیطرف
اُٹھ رہے تھے سیکڑوں گھن آبگینوں کی طرف

(۶۳)

جمع تھے گنجِ ہدایت میں جو معنی کے گہر — علم و حلم و بذل و فضل و رافت و فکر و نظر
رد شن آوازوں کے انجم شستہ لمحوں کے قمر — آرہی تھی آنچ ان کُل سک ہائے نُور پر

قاہری بے چین تھی کروٹ بدلنے کے لئے
شعلہ چھپٹا تھا شگوفوں کو نگلنے کے لئے

(۶۴)

لیلیٰ حق کے اُجڑے جا رہے تھے خد و خال — مصحفِ دوراں کے پھاڑے جا رہے تھے ماہ و سال
نعرہ ہائے شہر یاری نے بذوقِ جاہ و مال — چھین لی تھی گوشِ انسانی سے آوازِ بلال

لے رہی تھی پینگ تاریکی دلوں کے شہر میں
بہہ رہی تھی دھوپ صلح و آشتی کی نہر میں

قصرِ شاہی میں جھنجھوڑی جا رہی تھی زندگی
موت کی خاطر نچوڑی جا رہی تھی زندگی
(۶۵)
دستِ وحشت سے جھنجھوڑی جا رہی تھی زندگی
سوئے تاج و تخت موڑی جا رہی تھی زندگی

اور چھوڑا جا رہا تھا زندگی کے باغ کو
توڑ کر موتی کھلائے جا رہے تھے زاغ کو

بجھ گئے تھے ہر روش پہ رُشد کے نقشِ قدم
خندہ زن تھا قصر کی صولت پہ دولت کا بھرم
(۶۶)
چُگ رہا تھا بہتریں اوصاف کو بُومِ درم
پرفشاں تھا خود حَرَم کے بام پر شاہی عَلَم

چل پڑا تھا لشکرِ حیوانیت انسان پر
پاؤں رکھا چاہتی تھی خسروی قرآن پر

گھر چکی تھی تیرگی کی یورشوں میں شمعِ طُور
زلزلوں کی حکمرانی تھی زمیں پر دُور دُور
(۶۷)
شعلہ ہائے روشنی ہونے ہی کو تھے چُور چُور
ہل رہے تھے قصر ہائے مقبلانِ ذی شعُور

پختہ کارانِ جہاں بھی صیدِ فکرِ خام تھے
انبیاء عرشِ بریں پر لرزہ بر اندام تھے

تیرگی کی جیب میں تھی دولتِ شمس و قمر
زندگی پر یوں جہنّم کا تسلّط دیکھ کر
(۶۸)
جل رہا تھا خانۂ دیرینۂ فکر و نظر
اِک عظیم انسان بہرِ خدمتِ نوعِ بشر

رنگ بھرنے زندگی کے نقش میں قانون کا
دوش پر لے کر سبو آیا خود اپنے خون کا

جسکے ہر قطرے میں تھی قلزم کی طغیانی وہ خون
جسکے آگے خسروی کی آگ تھی پانی وہ خون
(۶۹)
کاہ جس کی راہ میں تھا کوہ سلطانی وہ خون
غرق ہو کر رہ گئی جس میں جہانبانی وہ خون

جسکی موجوں میں خمِ تیغ و مزاجِ سنگ تھا
نوحؑ کا طوفان جسکے دبدبے سے دنگ تھا

جو لوائے عزم و اعلانِ صداقت تھا وہ خوں ۔ ۷۰ ۔ جو چراغِ حکمت و شمعِ ہدایت تھا وہ خوں
خاک پر جو آبشارِ آدمیت تھا وہ خوں ۔ جو علیلِ انسانیت کا غسلِ صحت تھا وہ خوں

جس نے ظلمت کو خیابانِ چراغاں کر دیا
کفر پر وہ رنگ برسایا کہ ایماں کر دیا

جو طبیب و چارہ سازِ نوعِ انساں تھا وہ خوں ۔ ۷۱ ۔ گردنِ قاتل پہ جو شمشیرِ براں تھا وہ خوں
ساغرِ مقتول میں جو آبِ حیواں تھا وہ خوں ۔ جو نبوت کے ادارے کا نگہباں تھا وہ خوں

عرصۂ آفاق جس کی وسعتوں پر تنگ تھا
جس کے پرتو سے رخِ پیغمبری گل رنگ تھا

جس میں غلطیدہ تھا اوجِ روحِ نسانی وہ خوں ۔ ۷۲ ۔ جس میں تھی روح الامینؑ کی بال جنبانی وہ خوں
جس میں تھی مہرِ نبوت کی درخشانی وہ خوں ۔ دیکھتے تھے جس میں منہ آیاتِ قرآنی وہ خوں

جس کی ہر اک بوند میں طوفانِ صد آہنگ تھا
جس میں روئے مرتضےٰؑ و مصطفےٰؐ کا رنگ تھا

چرخ پر مانندِ ابرِ کعبہ جو چھایا وہ خوں ۔ ۷۳ ۔ جس نے روحِ نوعِ انسانی کو چونکایا وہ خوں
ڈوبتے قرآن کو ساحل پہ جو لایا وہ خوں ۔ خود مشیت کے جو آڑے وقت کام آیا وہ خوں

کاٹ کر باطل کا سر اپنی انوکھی دھار سے
جس نے یزداں کو بچایا اہرمن کے وار سے

بنتِ پیغمبرؐ کی جس میں نوحہ خوانی تھی وہ خوں ۔ ۷۴ ۔ زینبؑ و کلثومؑ کی جس میں کہانی تھی وہ خوں
پھول سے بچے کی جس میں بے زبانی تھی وہ خوں ۔ قاسمؑ و اکبرؑ کی جس میں نوجوانی تھی وہ خوں

جس کی ہر اک بوند میں یادِ غمِ شبیر دار تھی
جس سے اک بیمار کی زنجیر میں جھنکار تھی

(۷۵)

ہاں اُسی کی رو میں مَوجِ صفدری آگے بڑھی — خامشی کانپی، نشیدِ حیدری آگے بڑھی
تھرتھرائیں ظلمتیں، پیغمبری آگے بڑھی — جگمگائی صبح تابِ داوری آگے بڑھی

اس زمیں کو داد اَوج آسماں دینے لگا
ذرہ ذرہ قبلہ رو ہو کر اَذاں دینے لگا

(۷۶)

ہیبتِ حق، دہشت انگیزوں پہ طاری ہو گئی — ہر پلک آنکھیں جھکیں ڈر کر تو بھاری ہو گئی
تاجداری کی جلالت غرقِ خواری ہو گئی — پارہ، پارہ، آبروئے شہریاری ہو گئی

خوں کے بادل اُٹھے قلعوں کی جانب مُڑ گئے
اور یُوں برسے پہاڑوں کے پرخچے اُڑ گئے

(۷۷)

نوحۂ غم بن گیا ہر نغمۂ فتح و ظفر — دابِ حق سے زلزلے خود ہو گئے زیر و زبر
قصر کی تکمیل سے اُبھری شکستِ بام و دَر — فرقِ شاہنشاہ پر گُھن بن گئی قندیلِ زر

گردنیں خود اپنی ہی تیغوں سے کٹ کر رہ گئیں
کشتیاں ساحل پہ آتے ہی اُلٹ کر رہ گئیں

(۷۸)

صاحبانِ آب و ساغر دشت و صحرا بن گئے — خستگانِ تشنہ لب تسنیم و طوبیٰ بن گئے
دیو پیکر صیدِ مرگِ صبر پیما بن گئے — اور جو بے جان تھے رشکِ مسیحا بن گئے

کیا غضب ہے جو ڈراتے تھے وہ خود ہی ڈر گئے
یہ عجب ہے جی اُٹھے مقتول قاتل مر گئے

(۷۹)

یوں بُجھا کر رکھ دیئے آہوں نے دولت کے دیئے — آنسوؤں میں بہہ گئے طبل و عَلم کے دبدبے
بیڑیوں کی گُونج سے اِیوان تھرّانے لگے — ایک بی بی کی خطابت نے وہ ڈالے زلزلے

اشکِ خُوں روشن ہوئے نظروں سے تارے گر گئے
خاک پر قصرِ حکومت کے منارے گر گئے

گوہرِ خوش آب نے شعلے کو پانی کر دیا ‏(٨٠)‏ ضعف نے طاقت کو صیدِ ناتوانی کر دیا
فقر نے دولت کو محوِ نوحہ خوانی کر دیا ‏—‏ دین نے دنیا کو وقفِ سرگرانی کر دیا
صرف اک تنویر نے ظلمت کی خندق پاٹ دی
پنکھڑی کی دھار نے لوہے کی گردن کاٹ دی

اہلِ دل سے کہہ رہی ہے یہ مؤرخ کی زباں ‏(٨١)‏ بعدِ پیغمبر ہوئی تھیں کس طرح سرگوشیاں
چھا گیا تھا ہر طرف کس طرح دولت کا دھواں ‏—‏ کیا دبے پاؤں چلے تھے سازشوں کے کارواں
اب بھی ان امواج میں ڈوبی پڑی ہے کربلا
ہاں انھیں کی ایک تاریخی کڑی ہے کربلا

کربلا میں امرِ حق کی برتری سے جنگ تھی ‏(٨٢)‏ طاقتِ نانِ شعیرِ حیدری سے جنگ تھی
عظمتِ دیرینۂ پیغمبری سے جنگ تھی ‏—‏ جس کا قرآں میں ہے ذکر اس داوری سے جنگ تھی
کب نفاق اربابِ حق سے برسرِ پیکار تھا
وہ خدا پر آخری لات و ہبل کا وار تھا

کفر نے کاٹا نہیں تھا مصحفِ ناطق کا سر ‏(٨٣)‏ اصل میں قرآن وہ پھینکا گیا تھا پھاڑ کر
حملہ آور ابنِ حیدرؑ پر نہ تھے اربابِ شر ‏—‏ ضرب تھی وہ اصل میں اسلام کی بنیاد پر
چند جانبازوں کی جانب رُخ نہ تھا آفات کا
دن پہ وہ در اصل دھاوا تھا اندھیری رات کا

وہ نہ تھا اُفتادِ طشتِ حق کا صوتی ارتعاش ‏(٨٤)‏ مصطفیٰؐ سے دشمنی کا وہ ہوا تھا راز فاش
خیمۂ شبیرؑ کو گھیرے نہیں تھے بد قماش ‏—‏ گردنِ حق کیلئے تھی ریسماں کی وہ تلاش
اشقیاء جھپٹے نہ تھے ابنِ شہِ لولاک پر
اصل میں بُت آستینوں سے گرے تھے خاک پر

کچھ خبر بھی ہے محبّانِ حسینؑ دُور بیں — موت ہے شبیریت کے دائرے میں انگبیں
(۸۵)
اتباعِ مُرشدِ حق پر درو عہد آفریں — کاروبارِ مرگ ہے بازیچۂ طفلاں نہیں

زہر سے لبریز ہے جامِ حسینؑ ابنِ علیؑ
جان دینا ہو تو لو نامِ حسینؑ ابنِ علیؑ

رعبِ سُلطانی کو ٹھکراؤ تو لو نامِ حسینؑ — بولتے رن میں نہ گھبراؤ تو لو نامِ حسینؑ
(۸۶)
دشمنوں کی پیاس بجھواؤ تو لو نامِ حسینؑ — موت کی چھاتی پہ چڑھ جاؤ تو لو نامِ حسینؑ

حلق سے تیغوں کا مُنھ موڑ دو تو لو نامِ حسینؑ
برگ سے فولاد کو توڑ دو تو لو نامِ حسینؑ

خود پہ بابِ تشنگی کھولو تو لو نامِ حسینؑ — دل کو برق و رعد میں تولو تو لو نامِ حسینؑ
(۸۷)
دوست دارِ دُشمناں ہو لو تو لو نامِ حسینؑ — تیغ کے نیچے بھی سچ بولو تو لو نامِ حسینؑ

ظُلم کی تعمیر کو ڈھا دو تو لو نامِ حسینؑ
شمع سے آندھی کو ٹکرا دو تو لو نامِ حسینؑ

خود کو تیغوں کی طرف ریلو تو لو نامِ حسینؑ — مسکرا کر آگ سے کھیلو تو لو نامِ حسینؑ
(۸۸)
جُملہ مُمکن سختیاں جھیلو تو لو نامِ حسینؑ — اوّل اپنا امتحاں لے لو تو لو نامِ حسینؑ

ہاں پرکھ لو خُوب ہمّت کو تو لو نامِ حسینؑ
جانچ لو اپنی شرافت کو تو لو نامِ حسینؑ

خانہ بربادی پہ اتراؤ تو لو نامِ حسینؑ — بے کسی پر ناز فرماؤ تو لو نامِ حسینؑ
(۸۹)
چاند سے ٹکڑوں کو گہناؤ تو لو نامِ حسینؑ — رن میں اک بے شیر کو لاؤ تو لو نامِ حسینؑ

بے کسی کی موت نعمت ہو تو لو نامِ حسینؑ
دھوپ میں سونے کی ہمّت ہو تو لو نامِ حسینؑ

عزتِ دستور پر جو سر کٹا سکتا نہیں
جو خود اپنے ہی چراغوں کو بجھا سکتا نہیں
(۹۰)
تان کر سینے کو جو میداں میں آ سکتا نہیں
موت کو جو اپنے کاندھے پہ اُٹھا سکتا نہیں
ہاں خود اپنے خوں میں کشتی جو کھے سکتا نہیں
وہ حسینؑ ابن علیؑ کا نام لے سکتا نہیں

اے حسینؑ ابن علیؑ اے خسروِ رُوحانیاں
اے دماغِ پختہ کی آواز اے دل کی زباں
(۹۱)
اے شہِ ملکِ ابد اے راکبِ عصرِ رَواں
موت سے تیری اُبلتی ہے حیاتِ جاوِداں
تو ازل سے تا ابد پھیلا ہوا منشور ہے
لے کے تیرا وقت کے دونوں سروں پہ نور ہے

کر دیا تو نے یہ ثابت اے دِلاور "آدمی"
زندگی کیا موت سے لیتا ہے ٹکر "آدمی"
(۹۲)
کاٹ سکتا ہے رگِ گردن سے خنجر "آدمی"
لشکروں کو روند سکتے ہیں بہتّر "آدمی"
ضعف ڈھا سکتا ہے قصرِ افسر و اورنگ کو
آبگینے توڑ سکتے ہیں حصارِ سنگ کو

پُشت پر تیری ہیں سا تیں عظمتوں کے کارواں
سجدہ کرتی ہے زمیں کو صولتِ ہفت آسماں
(۹۳)
یوں ترے سر پہ ہے گرداں چترِ عمرِ جاوِداں
دنگ ہیں تاجِ مسیحؑ و خضرؑ کی تابانیاں
تو بشر کی ہمتِ عالی کا وہ اعجاز ہے
جس پہ یزداں و بشر دونوں کو اب تک ناز ہے

تو صدا دے کر نہ پلٹاتا جو سُوئے آبِ جُو
تشنہ لب انسان مر جاتا بھٹک کر کُو بہ کُو
(۹۴)
اہلِ دنیا بر بنائے آرزوئے رنگ و بُو
اہرمن کی سمت مُڑ جاتا اگر ہوتا نہ تُو
اس زمیں پر کھینچ کر تو نے خطِ حق آئین کی
زلزلوں کی پشت پر رکھ دی بِنا تمکین کی

(٩٥)
پرتوِ آیات ہے تیرے دلِ حساس پر ۔ تو گہر افشانِ قلم ہے کوثریں قرطاس پر
زندگی تُلتی ہے تیرے خون کی مقیاس پر ۔ کشتیٔ ایثار چلتی ہے تیرے انفاس پر

کاروانِ ارتقا کا رہبرِ کامل ہے تُو
سینۂ گیتی و گردوں کا دھڑکتا دل ہے تُو

(٩٦)
تیری موجِ نطق میں ہے نغمہ سازِ حیات ۔ تیرا ہر خطِ جبیں ہے جادۂ ذات و صفات
تیری ہر موجِ نفس ہے انشراحِ کائنات ۔ تیری مژگاں کی ہر اک لرزش ہے تفسیرِ حیات

جھومتے رہتے ہیں عرش و فرش تیرے ساز سے
زندگی جنبش میں آتی ہے تیری آواز سے

(٩٧)
نصب تو نے کر دیے انساں کی عظمت کے خیام ۔ مرحمت تو نے کیا توقیرِ آدم کو دوام
جھوم کر تو نے شہادت کا پیا جس وقت جام ۔ رُوحِ دوراں نے محمدؐ کو کیا جھک کر سلام

مصطفےؐ کی کشتیٔ نازش کو کھینے کے لئے
انبیاء آئے مبارک باد دینے کے لئے

(٩٨)
تشنگی کو موجِ یم نے مبارک باد دی ۔ خاکؑ اس کو عرشِ اعظم نے مبارک باد دی
فاتحِ خیبر کو آدمؑ نے مبارک باد دی ۔ فاطمہ زہراؑ کو مریمؑ نے مبارک باد دی

فتح کے نغمات نکلے زندگی کے ساز سے
کبریا نے قدسیوں کی سمت دیکھا ناز سے

(٩٩)
ذرہ، ذرہ جلوہ گاہِ ماہِ کنعاں ہو گیا ۔ حلقۂ خشت و خزف گوہر بداماں ہو گیا
بارگاہِ آدمیت میں چراغاں ہو گیا ۔ رشتۂ بر پا ذہنِ انسانی خراماں ہو گیا

پیکرِ ہستی میں نبضِ مدعا چلنے لگی
جس سے جی اُٹھتے ہیں مردے وہ ہوا چلنے لگی

(۱۰۰)

اے حسینؑ اب تک ترا نقشِ قدم تابندہ ہے ۔ زندہ ہے، پائندہ ہے، نازندہ ہے، رخشندہ ہے

روشن و پائندہ و بالندہ و بخشندہ ہے ۔ گام زن تو جس پہ تھا وہ جادہ اب تک زندہ ہے

ضو فگن ہے ذہن کے ہر بند پر ہر جوڑ پر

شمع جو تابندہ ہے تیری گلی کے موڑ پر

(۱۰۱)

سیکڑوں قلزم بلا کرتے ہیں تیرے جام سے ۔ سیکڑوں گردوں بنا کرتے ہیں تیرے بام سے

کس غضب کی لو نکلتی ہے ترے پیغام سے ۔ زندگی کو جھرجھری آتی ہے تیرے نام سے

گونجتا ہے روح میں ہر نغمہ تیرے ساز کا

آج بھی کوندا لپکتا ہے تری آواز کا

(۱۰۲)

اے حسینؑ ابن علیؑ اے بندہ یزداں صفات ۔ نور سے تیرے جھلکتی ہے جبینِ کائنات

محو ہو جائیں اگر دنیا سے تیرے واقعات ۔ گنبدِ تاریخ پر چھا جائے ہیبت ناک رات

بھول سکتا ہی نہیں انسان قربانی تیری

حافظے کے فرق کا جھومر ہے پیشانی تیری

(۱۰۳)

اے فضائے قدس کے ابر خراماں السّلام ۔ السّلام اے شمعِ ایوانِ عرفاں السّلام

السّلام اے طُرّہ تاجِ شہیداں السّلام ۔ السّلام اے ذو الکلام و زندہ قرآں السّلام

السّلام اے سطوتِ محراب و منبر السّلام

السّلام اے خسروِ ناموسِ اکبر السّلام

(۱۰۴)

اے گلوئے زیرِ شمشیرِ عدو تجھ پر سلام ۔ کربلا کی خاک پر بہتے لہو تجھ پر سلام

دودمانِ مصطفےٰؐ کی آبرو تجھ پر سلام ۔ اے بہ خوں غلطیدہ زلفِ مشک بو تجھ پر سلام

دینِ اہلِ درد و جانِ اہلِ ماتم السّلام

شانۂ ایماں کے اے گیسوئے برہم السّلام

شاہِ غم کی شان، میرِ سوگواراں السّلام — مشعلِ افسردۂ شامِ غریباں السّلام (۱۰۵)
اے مرے ڈوبے ہوئے مہرِ درخشاں السّلام — اے دیارِ فاطمہؑ کے ماہِ کنعاں السّلام

قلبِ تسلیم و رضا کے صبرِ وافر السّلام
السّلام اے دشتِ غربت کے مسافر السّلام

سینۂ عباسؑ کے سوزِ نہانی کو سلام — توسنِ ابنِ مظاہرؑ کی روانی کو سلام (۱۰۶)
اصغرؑ معصوم تیری بے زبانی کو سلام — اکبرؑ نوخیز تیری نوجوانی کو سلام

مصطفٰےؐ کے لال کو حیدرؑ کے پیارے کو سلام
فاطمہؑ زہرا تری آنکھوں کے تارے کو سلام

اے زمین کی خسروی گردوں کی شاہی السلام — اے مدینے کی نسیمِ صبح گاہی السلام (۱۰۷)
اے شہادت کی ادائے کج کلاہی السلام — اے اجل کو روندنے والے سپاہی السلام

اے مرے ساونت اے مرے جری تجھ پر سلام
ناخدائے کشتیِ پیغمبری تجھ پر سلام

پھر بشر کے ذہن پر عکسِ جنوں ہے یاحسینؑ — پھر حقیقت ذہنِ اوہام و فسوں ہے یاحسینؑ (۱۰۸)
پھر دلِ اقدارِ نازک غرقِ خوں ہے یاحسینؑ — پھر بشر باطل کے آگے سرنگوں ہے یاحسینؑ

آ، دلِ انجام کو پھر گرمیِ آغاز دے
اے بہادر وقت کی آواز پر آواز دے

ہو چکے ہیں غرق پھر شیرازہ بندی کے عُروق — پھر رواں ہیں ذلتیں سوئے تنفّر جوق جوق (۱۰۹)
پھر شریعت ہے مساواتِ بشر کی بے وثوق — پھر خجل ہیں نوعِ انسانی کے بنیادی حقوق

پھر بغاوت کر رہا ہے زندگی سے "آدمی"
دیکھ پھر ٹکرا رہا ہے "آدمی سے آدمی"

١١٠

پھر حیاتِ نوعِ انسانی ہے کجلائی ہوئی
گُل پڑے ہیں ولولے جرأت ہے مرجھائی ہوئی
پھر زمین و آسماں پر موت ہے چھائی ہوئی
موت بھی کیسی خود اپنے ہات کی لائی ہوئی
چہرۂ امید کو رخشندگی دے "یا حسینؑ!
زندگی دے، زندگی دے، زندگی دے یا حسینؑ!

١١١

عکس اپنا ڈال پھر اس خاکداں پر اے حسینؑ
پھر عطا فرما حدیثِ دل کو منبر اے حسینؑ
بخش دے پھر بستہ قطرے کو سمندر اے حسینؑ
زورِ حیدرؑ، زورِ حیدرؑ، زورِ حیدرؑ اے حسینؑ
خشک ہونے پر ہے چہرۂ عزمِ انساں یا حسینؑ
موجِ طوفاں، موجِ طوفاں، موجِ طوفاں یا حسینؑ!

١١٢

ہونکتا پھرتا ہے پھر سرمایہ داری کا وقار
اُٹھ چکا ہے پھر عوامی برتری کا اعتبار
پھر خزاں کی آستاں بوسی پہ نازاں ہے بہار
پھر خدا کا ذوقِ تخلیقِ بشر ہے شرمسار
پھر زبوں ہے نفسِ انسانی کی حالت یا حسینؑ
آ، کہ پھر دنیا کو ہے تیری ضرورت یا حسینؑ

١١٣

جہل پھر رکھے ہوئے ہے علم کے سر پر قدم
خاک میں پھر مل چکا ہے آدمیت کا بھرم
زندگی پر مارتے پھرتے ہیں ٹھونگیں پھر درم
کھل چکا ہے پھر دلِ انساں میں سونے کا علم
پھر دفِ زر بج رہا ہے شور ہے اشرار کا
صف شکن یہ وقت ہے پھر تیغ کی جھنکار کا

١١٤

ہم کو تیرا، اور خود بھی خوں کے دھارے میں تیر
دیکھ دیوارِ حرم تک آ چکا ہے سیلِ دیر
شہرِ دولت نعرہ زن ہے تیغ اٹھائے رُخِ خیر
راہ پر چاندی نہیں آئے گی لوہے کے بغیر
یوں ہمیں للکار ہم بڑھ کر چٹانیں توڑ دیں
خیبرِ تہذیبِ زر کی سمت باگیں موڑ دیں

۱۱۵

اے مجاہد روح! پھر سینوں کو دے سوزِ شرر
اے مقدس تشنگی مواج ہو سر سے گزر
اے پیمبر موت انوکھی زندگی بن کر ابھر
اے مقررِ خامش منبر پہ آ، تقریر کر

اے لہو پھر قشقۂ پیشانیٔ کردار بن
اے جراحت میان سے باہر نکل کر تلوار بن

۱۱۶

دیکھ پھر قصرِ جہنم بن چکا ہے روزگار
آج میں غلطیدہ ہے پھر خیمۂ لیل و نہار
سرزمیں پر حکم راں ہے باہزاراں اقتدار
آتش و دود و دخان و شعلہ و برق و شرار

زندگی ہے بر سرِ آتش فشانی یا حسینؑ!
آگ دنیا میں لگی ہے آگ، پانی یا حسینؑ!

مرثیہ ④

وحدتِ انسانی

اے دوست دل میں گردِ کدورت نہ چاہیئے

بند، ۷۶

تصنیف ________________

○

کچھ پھُول سے تا دُور کھِلے جاتے ہیں
کچھ سرُخ علم سے ہیں کہ لہراتے ہیں
فرقِ آدم پہ تاج رکھنے سرِ حشر
ہٹ جاؤ فرشتو کہ حسینؑ آتے ہیں

○

(۱)

اَے دوست دل میں گردِ کدورت نہ چاہیئے
اچھے تو کیا، بُروں سے بھی نفرت نہ چاہیئے
کہتا ہے کون، پھول سے رغبت نہ چاہیئے
کانٹے سے بھی مگر تجھے وحشت نہ چاہیئے

کانٹے کی رگ میں بھی ہے لہو سبزہ زار کا
پالا ہوا ہے وہ بھی نسیمِ بہار کا

(۲)

جو موج، دشت میں ہے، وہی لالہ زار میں
جو رَو، سراب میں ہے، وہی جوئے بار میں
جو شے ہے برگِ گل میں، وہی نوکِ خار میں
تفریق، ناروا ہے، خزاں اور بہار میں

وضع و روش میں فرق سہی، جان ایک ہے
تیور جُدا جُدا ہیں، مگر آن ایک ہے

(۳)

ہر نار میں لپک ہے وہی، جو ہے نور میں
ذرّات میں دمک ہے وہی، جو ہے طُور میں
غیبت میں بھی جھلک ہے وہی، جو ظہور میں
پتّھر میں بھی کھنک ہے وہی، جو بلور میں

یہ فرقِ اسم و شکل، فریبِ نگاہ ہے
اے دوستو، دُوئی کا تصوّر، گناہ ہے

(۴)

سُنبل کی نسل سے ہیں خس و خار و شاخ سار
سوسن کے خاندان سے ہیں خُشک برگ و بار
ہر زرد پنکھڑی ہے، اِک اُجڑی ہوئی بہار
عبرت سے دیکھ، باغ کے ذرّاتِ سوگوار

گل دے کر ان کو نوچ، نسیم و سحاب کا
خاکِ چمن نے روپ بھرا تھا گلاب کا

۵

کہتی ہیں چُرمُرا کے یہ بے جان پتّیاں — ہم کو ذرا بچا کے چل اے خیلِ رہرواں

کل جبکہ تھیں گھٹائیں دُرافشاں ورے جہاں — اُترے تھے اپنی چھاؤں پہ پھولوں کے کارواں

بازار مہ رُخاں تھا قطارِ خیام تھی

کل اپنے سایہ میں بھی بڑی دھوم دھام تھی

۶

ہوتے ہیں پائمال، تو کہتے ہیں زرد پھول — کل رحمتِ عمیم کا، ہم پر بھی تھا نُزول

خوبانِ بوستان میں، ہمارا بھی تھا شُمول — اے راہ رَو، نہ ڈال ہمارے سروں پہ دھول

ہر چند، انجمن کے نکالے ہوئے ہیں ہم

لیکن، صبا کی گود کے پالے ہوئے ہیں ہم

۷

ہم تھے کبھی بنفشہ و نسرین و یاسمن — نیلوفر و ہزارۂ و سوری و ناردن

داؤدی و شقائق و صد برگ و نسترن — تُرکانِ زرجبیں و حسینانِ سیم تن

سینوں پہ لوٹتے تھے، ہوائے بہار میں

ہم، کل گندھے ہوئے تھے حسینوں کے ہار میں

۸

کہتے ہیں زرد گُنج بصد گریہ و بُکا — ہم پر بھی ایک روز غضب کا نکھار تھا

اپنے حصار و سقف میں اسطرح تھی صبا — گھونگھٹ میں سر عروس کا جیسے جھکا ہوا

کیا بات پوچھتے ہو، اس اُجڑے دیار کی

آئی تھی کل ادھر بھی سواری بہار کی

۹

کہتا ہوں پھر کہ دل میں کدورت نہ چاہیے — وحدت کے سر پہ ضربتِ کثرت نہ چاہیے

مطلق اِکائی میں، عددیت نہ چاہیے — غیریّت و شرود عصبیت نہ چاہیے

آفاق ایک جسم ہے، اور ایک ذات ہے

اے دوست، وہمِ غیر جہالت کی بات ہے

۱۰

جوہر میں ہے جو بات، عرض میں بھی ہے وہی — لُو کے گلے میں یخ کی ہیں بانہیں پڑی ہوئی
اِک موجِ رنگ، خاکِ گلستاں ہے پنکھڑی — دیکھو اگر تو دھوپ کا اِک رُخ ہے چاندنی

آتش ہے، طبعِ شاخِ صنوبر لیے ہوئے
اخگر بھی ہے، مزاجِ گُلِ تر لیے ہوئے

۱۱

کوثر ہی میں نہیں ہیں سفینے رواں دواں — دریائے سم میں بھی ہیں، بہاروں کی کشتیاں
ساغر ہی میں نہیں ہیں، لطافت کے گلستاں — سنداں کے جسم پر بھی ہے، تشریفِ پرنیاں

گل ہی نہیں ہے نورِ نظر، ماء و طین کا
خاشاک نے بھی دودھ پیا ہے زمین کا

۱۲

بے جان و جان دار کی بنیاد ایک شے ہے — ارض و سما کی علتِ ایجاد ایک شے ہے
بُت سیکڑوں ہیں، حُسنِ خداداد ایک شے ہے — سب دل الگ الگ ہیں گریاد ایک شے ہے

یکساں ہے مال، گو ہیں دُکانیں جُدا جُدا
معنی ہیں سب کے ایک، زبانیں جُدا جُدا

۱۳

تردامنی و عصمت و کفر و پیمبری — ابر و شعاع و سایہ و تنویر و تیرگی
خورشید و ماہ و ذرّہ و ناہید و مشتری — بلّور و سنگ و جوہر و حیوان و آدمی

اور یہ جو دشت و کوہ و بیابان و باغ ہیں
سب ایک خاندان کے چشم و چراغ ہیں

۱۴

بے شک، جو بخشتا ہے دھڑکتے دلوں کو چین — اُس کا وجود، بزمِ جہاں کی ہے زیب و زین
لیکن وہ بد شعار، جو ہے ننگِ مشرقین — وہ شخص بھی ہے، آدم و حوّا کا نورِ عین

نفرت سے یوں نہ چاکِ وفا کا لباس کر
اے بھائی اپنے باپ کے بیٹے کا پاس کر

۱۵

جو روشنی چکاں ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
جو تیرگی فشاں ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
جو یارِ مہرباں ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
اور جو، عدوئے جاں ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

تو بھاگ، خواہ موت سے، یا زندگی سے بھاگ
اے آدمی، کبھی نہ مگر آدمی سے بھاگ

۱۶

للہ سوئے چرخ روح زمیں کو ابھار کر
نوعِ بشر کو دعوتِ حق دے پکار کر
بد ہے کوئی تو کوششِ اصلاح کار کر
کچھ ہاتھ آ سکے گا نہ انساں کو مار کر

نفسِ مرض کو درخورِ لطف و عطا نہ کر
اے چارہ گر مریض پہ لیکن جفا نہ کر

۱۷

ہاں رحمتِ مسیح بن اے مرحمت مآب
حُسنِ عمل سے کھول دلوں میں طرب کے باب
سیراب کر دلوں کو بہ اندازۂ سحاب
عالم پہ نور پاش ہو مانندِ آفتاب

انسان کو نہ دیدۂ جور و جفا سے دیکھ
اے بندۂ خدا تو نگاہِ خدا سے دیکھ

۱۸

انسان کے خمیر میں ہے جذبۂ گناہ
معلول تو علیل ہے علت پہ کر نگاہ
گم راہ، کوئی شخص نہیں ہے، خدا گواہ
صیدِ فریبِ جادہ ہیں گم کردگانِ راہ

ہر فرد جبر ہائے علل کا غلام ہے
نفرت، شریعتِ بشری میں حرام ہے

۱۹

پشتِ نگاہ شمع فروزاں ہے تیرگی
گم کردہ راہِ خیر ہے دنیا کی ہر بدی
اک سنگ بستہ یادِ صمد ہے صنم گری
بھٹکا ہوا تصورِ وحدت ہے شرک بھی

جوہر وُہی حدوث میں ہے، جو قدم میں ہے
ضو ایک ہی چراغ کی دیر و حرم میں ہے

قوموں کے درمیاں جو ہیں یہ بحر و کوہسار
یہ بعد ہائے تفرقہ انگیز و رشتہ خوار
(۲۰)
یہ اختلافِ لہجہ و نیرنگیٔ شعار
یہ رنگ و نسل، قوم و عقائد کی گیر و دار
ان سب کا سیل جوئے اخوت کو پاٹ کر
اترا رہا ہے خون کے رشتوں کو کاٹ کر

اُونچے پہاڑ سامنے آ آ کے ڈٹ گئے
پھیلے ہوئے خلوص کے دامن سمٹ گئے
(۲۱)
حُبِّ وطن کے ناگ دلوں سے لپٹ گئے
سینے تمام گردِ کدورت سے اَٹ گئے
جتنے تھے کوہِ مہر و وفا کاہ ہو گئے
رشتے ہوئے دراز تو کوتاہ ہو گئے

اب بھائی ہے کہ بھائی کو پہچانتا نہیں
ہم بھائی بھائی ہیں یہ کوئی جانتا نہیں
(۲۲)
اک دوسرے کو دوست بھی گردانتا نہیں
سب ایک کوکھ سے ہیں کوئی مانتا نہیں
اربابِ آشتی ہمہ تن جنگ ہو گئے
ہم جس قدر وسیع ہوئے تنگ ہو گئے

آفاق کا نچوڑ ہے سلمائے زندگی
تجھ کو ہر ایک روپ میں رہنا ہے آدمی
(۲۳)
دُور اپنی اصل سے کوئی ہوتا نہیں کبھی
یہ دین و نسل و رنگ کی باتیں ہیں بعد کی
تو سب سے پیشتر فقط انسان ہے نہ بھُول
انساں کے بعد گبرو مسلمان ہے نہ بھُول

انساں اگر ہے شیوۂ شرکِ دوئی کو چھوڑ
انساں کشی کی آڑ میں اس خودکشی کو چھوڑ
(۲۴)
توہینِ ارتباطِ خفی و جلی کو چھوڑ
ناداں اہانتِ گہرِ زندگی کو چھوڑ
بالینِ مدعا پہ نہ گرمِ خروش ہو
اے باغیِ مصالحِ عالم خموش ہو

عالم تمام پرتوِ حُسنِ خیال ہے
کُل دہر ایک مورثِ اعلیٰ کی آل ہے
(۲۵)
جو مرد ہے وہ مادرِ گیتی کا لال ہے
تقسیم خونِ حضرت انساں محال ہے

انساں بہم ہوں غیر یہ کیسا جنون ہے
جس رگ میں بھی رواں ہے وہ تیرا ہی خون ہے

جو کچھ بھی اِس زمین پہ ہے خوب ہو کہ زشت
کاشی و دیر و خانقہ و کعبہ و کنشت
(۲۶)
الماس و لعل و گوہر و مرجان و سنگ و خشت
حور و قصور و نور و ظہور و نعیم بہشت

سُنکی تری نسیم تو یہ کارواں چلا
یہ سب تری تلاش میں ہیں تو کہاں چلا

جغرافیہ کا دل جو ہلادے وہ چال چل
تسخیر این و آں کو خدیو جہاں نکل
(۲۷)
نقشوں کی ہر لکیر بگڑ جائے یوں مسل
لے نوحِ عزم ساحل آفاق پہ مچل

ہاں بامِ اِفتراق کو زیرِ کمند کر
اُٹھ اور نوائے وحدتِ انساں بلند کر

اسمائے نطق و سیرت و اشکال و رنگ و دیں
ہاں محو کر نہ ذہن سے یہ نکتۂ مبیں
(۲۸)
ان سب سے علّتِ بشری کو غرض نہیں
آتا ہے یہ زباں پہ تری "میں" جو ہمنشیں

یہ "میں" نہیں ترا ہی خم و چم لئے ہوئے
یہ "میں" تو ہے نظامِ دو عالم لئے ہوئے

منزل تری ہے وادیٔ گنگ و جمن سے دُور
پاپا و شیخ و راہبر و برہمن سے دُور
(۲۹)
صحرا و سبزہ زار و سرابِ دمن سے دُور
دین و رسوم و نسل و زبان و وطن سے دُور

تیرا وجود فخرِ ضمیرِ حیات ہے
تو محض ایک فسرِ ذہنِ کائنات ہے

(۳۰)

اے دوست سعیِ امن سے ہو شاد و بامراد
روحِ بشر کی موت ہے خونخواری و فساد
انسان کے دماغ کا سرطان ہے عناد
اپنے غضب سے جنگ ہے، سب سے بڑا جہاد

لاکھوں میں بے نظیر کروڑوں میں فرد ہے
جو مسکرائے طیش میں بے شک وہ مرد ہے

(۳۱)

وہ ہے میں ڈوبتی ہے نگاہِ وفا شعار
توپوں کو روندتی ہے اِک آہنگِ مہر بار
آندھی کو باندھتا ہے لگاوٹ کا ایک تار
پتھر میں تیرتی ہے محبت کی نرم دھار

دشمن کی سمت ایک ذرا مسکرا کے دیکھ
اس حربۂ لطیف کو بھی آزما کے دیکھ

(۳۲)

قاتل بھی ہو رہا ہو اگر پیاس سے نڈھال
دشمن بھی گر رہا ہو تو ہاں دوڑ کر سنبھال
پانی اسے پلا کہ یہی ہے رہِ کمال
تھوکے بھی کوئی منہ پہ تو ماتھے پہ بل ڈال

دل کی سپر پہ غیظ کا ہر وار روک لے
تارِ نگاہِ لطف پہ تلوار روک لے

(۳۳)

جھکتا ہے فتنہ عفو و ترحم کے سامنے
تھمتا ہے شورِ جنگ ترنم کے سامنے
گھٹتا ہے طعنہ حسنِ تکلم کے سامنے
تلوار کانپتی ہے تبسم کے سامنے

بدلے کی رسم دینِ وفا میں حرام ہے
احسان اک شریف ترین انتقام ہے

(۳۴)

ہمدم ہو یا حریف کسی کو سمجھ نہ غیر
لیکن یہ امر ہے دلِ حق بین و عرش سیر
ہر آن جوئے مرحمت و آشتی میں تیر
شخصی معاملات کی حد تک ہے امرِ خیر

نوعی معاملات کا انداز اور ہے
اس انجمن کے ساز کی آواز اور ہے

۳۵

یعنی زمیں پہ فتنہ ہو جس وقت بار دار — انسانیت کے صحن میں اڑنے لگے غبار
آئینِ اجتماع میں پیدا ہو انتشار — ساکن معاشرہ میں تزلزل ہو آشکار
اور یہ نظر پڑے کہ زمیں داد خواہ ہے
اس وقت خوئے مہر و محبت گناہ ہے

۳۶

جس وقت اِک گروہِ شریر و جفا شعار — جبّار و قہر بار و ستمگار و ہرزہ کار!
خود بین و خود فریب و خود آرا و خود شمار — باطل نواز و خانہ بر انداز و حق شکار
دامانِ صلح و جیبِ اماں پھاڑنے لگے
ہر بام پر جنوں کے علم گاڑنے لگے

۳۷

توڑے ہر ایک شاخ، نچوڑے ہر ایک پھول — دَلنے لگے علوم کھُرچنے لگے عقول!
ڈھانے لگے حقوق دھنکنے لگے اصول — بونے لگے ظلوم اُگانے لگے جہول!
کھینے لگے نمائشِ جاہ و جلال کو
سینے لگے تصوّرِ جنگ و جدال کو

۳۸

محلوں میں جلوہ ریز ہوں ارذال خیرہ سر — چالاک ہزلوں کو ملے منصبِ خضر
سفلوں کی ہو نشست سرِ تختِ سیم و زر — اقطابِ روزگار کے بستر ہوں خاک پر
آئے اجل عوام کی جانوں کے واسطے
دنیا ہو صرف چند گھرانوں کے واسطے

۳۹

جُہّال کی زبان پہ ہوں لن ترانیاں — اشرارِ خود غرض کو ملیں حکمرانیاں
برسیں حقیقتوں کی زمین پر کہانیاں — کھانے لگیں عوام کا گودا گرانیاں
سفلوں سے بھیک اہلِ سخا مانگنے لگیں
مرنے کی اہلِ علم دُعا مانگنے لگیں

پوشاکِ اصفیا کو بعیں سوندنے لگیں
کشتِ وفا کو اہلِ جفا روندنے لگیں
اپنے کو ماہ و سال غلط لوندنے لگیں
(۴۰)
کوندے ہر ایک سمت نئے کوندنے لگیں
حد یہ ہے دیر نعرہ لگا کر مصاف کا
کرنے لگے حرم سے تقاضا طواف کا

حیوانیت کی آگ کو سب دھونکنے لگیں
تہذیب کے دیار میں بن ہونکنے لگیں
نکلے وہ بو کہ ارض و سما ادنکنے لگیں
(۴۱)
سونے لگیں چراغ دھوئیں چونکنے لگیں
اتنے بھچیں کہ دھوپ میں تارے نکل پڑیں
ٹکرو وہ ہو کہ یخ سے شرارے نکل پڑیں

اس وقت فرض ہے کہ برائے مفادِ عام
پہلے کرے زباں سے ہدایت کا اہتمام
اک مردِ حق پناہ اٹھے سبب انتظام
(۴۲)
مانے نہ پھر بھی کوئی تو لے کر خدا کا نام
پائے ہوس سے طاقتِ رفتار کھینچ لے
میدان میں نیام سے تلوار کھینچ لے

ایسے ہی ایک دور میں اک مردِ حق پناہ
گلزارِ نور و طورِ خیابانِ مہر و ماہ
پروردگارِ ملت و پروردۂ اِلٰہ
(۴۳)
مولائے راہِ راست شہنشاہِ کج کلاہ
سب عقدہ ہائے انفس و آفاق کھول کر
آیا تھا کارزار میں تلوار تول کر

آ تا نہ کیونکہ صبح پہ چھائی ہوئی تھی شام
بدنظمیوں کی راہ پہ تھا پائے انتظام
تاریک تھے حریمِ تجلّی کے سقف و بام
(۴۴)
دنیا کے دستِ نحس میں تھی دین کی زمام
تھا اک سکوت خلوتِ ذات و صفات میں
قرآں تمام ڈوب رہا تھا فرات میں

(۴۵)
لہرا رہے تھے بامِ تمدن پہ وہ علم
جن کے جلو میں صاعقہ جنکی ہوا میں سم
جس کا نبی نفاق تھا جس کا خدا درم
وہ منبرِ رسولؐ پہ رکھنے کو تھا قدم

دل ہل رہا تھا ، بحر و بر و مہر و ماہ کا
تھرا رہا تھا تختِ رسالتؐ پناہ کا

(۴۶)
لرزاں ہوائے جہل سے شمعِ علوم تھی
کاشانۂ ہزار میں آوازِ بوم تھی
موجِ صبا پہ کشتیِٔ بادِ سموم تھی
اسلام کا جنازہ اٹھانے کی دھوم تھی

شور و غا ، اُبھار کے ذوقِ گناہ کو
دفنا رہا تھا " اشھد ان لا الٰہ " کو

(۴۷)
خاقانیت کی پشت پہ تھا لشکرِ گراں
اور فقر کی جلو میں بہتّر مزاج داں
اسلام تھا دلوں میں کچھ اسطرح نوحہ خواں
جسطرح سے یزید کی خرگاہ میں اذاں

ایماں یوں اسیرِ محن تھا سپاہ میں
جیسے یقین سلسلۂ اشتباہ میں

(۴۸)
صحرا کو تھی حکومتِ بُستاں کی آرزو
دیو سیہ کو تختِ سلیماں کی آرزو
بدرُو کو حسنِ یوسفِ کنعاں کی آرزو
ابلیس کو جلالتِ یزداں کی آرزو

پھر تاج گر رہا تھا سرِ مشرقین کا
منہ تک رہی تھی گردشِ دوراں حسینؑ کا

(۴۹)
اتنے میں اک غبار اٹھا زرنگار سا
کانپا ، پھٹا ، فضا پہ ہوا چاک ، چھٹ گیا
خوشبوئے مصطفےٰؐ سے مہکنے لگی فضا
دیکھا کہ آرہا ہے خداوندِ کربلا

دشتِ خزاں میں رنگِ بہاراں لئے ہوئے
زہراؑ کے مہ وشوں کا گلستاں لئے ہوئے

۵۰

بنتِ علیؑ کی شعلہ زبانی لیے ہوئے
عباسؑ کے لہو کی روانی لیے ہوئے
اکبرؑ کی نارسیدہ جوانی لیے ہوئے
اصغرؑ کی پیاس تیر کا پانی لیے ہوئے
اشکوں پہ زلفِ صبر کا سایہ کیے ہوئے
انفاس میں رسولؐ کی خوشبو لیے ہوئے

۵۱

ہاں مژدہ باد گردشِ دوراں کہ آگیا
معمارِ ثانیٔ حرمِ دینِ مصطفےٰؐ
تعظیم کے لیے وہ اٹھی رُوحِ کربلا
در بامِ آسمان سے یہ آنے لگی صدا
عرشِ بریں سے بادِ بہاری قریب ہے
اے قدسیو! اٹھو کہ سواری قریب ہے

۵۲

خونِ حسینؑ خاک پہ دیکھو وہ بہہ گیا
اسلام کی رگوں میں لہو دوڑنے لگا
حملِ علیؑ کی دھوم مچا دو ملائکہ
اے عرش دیکھ فرش کا اعجازِ ارتقا
غازی پلا چکا ہے لہو ماؤ طین کو
اے آسمان گود میں لے لے زمین کو

۵۳

ہاں چل چکا ہے شہرِ شہادت سے کارواں
عصمت کے دائروں کو بچا خیلِ قدسیاں
آنکھیں بچھا تموّجِ انوارِ کہکشاں
داؤد ہاں ترانۂ مقدم، بلال اذاں
افلاک آؤ جامِ عقیدت پیے ہوئے
صف بستہ ہو نجوم کی شمعیں لیے ہوئے

۵۴

حورو! چراغِ خلد جلاؤ، پرے جماؤ
فردوس کو سجاؤ، سنوارو، دلھن بناؤ
پیغمبرو! عبائیں پہن کر قدم بڑھاؤ
جاؤ محمدؐ عربی کے قریب جاؤ
ہاں آؤ اے فضا کے کرو گھومتے ہوئے
وہ آگیا حسینؑ بڑھو جھومتے ہوئے

۵۵

کج کر کلاہِ فخر و مباہات اے خلیلؑ — اٹھ مقدمِ خدیوِ شہیداں کو جبرئیل
ساحل پہ نور پاش ہوئے چہرۂ قتیل — آ، اور چھڑک پسینہ کہ پیاسی ہے سلسبیل

جنّت کا آب و رنگ کہیں دم نہ توڑ دے
شبیرؑ! اپنی پیاس کا دامن نچوڑ دے

۵۶

اے ساکنانِ حجلۂ سترِ صفات و ذات! — جھک جاؤ پیشِ بارگہِ میرِ کائنات
اے موت ادب سے پیش کر آئینۂ حیات — عکسِ حسینؑ کانپ چکا ہے سرِ فرات

اعزازِ بندگانِ گرامی دو چند ہو
اے کربلا کی خاک فلک تک بلند ہو

۵۷

ہاں تم بھی ناصرانِ شہیدِ جفا بڑھو — اے شاہزادگانِ دیارِ وفا بڑھو
اے شاہدانِ گل رُخ و گلگوں قبا بڑھو — زینبؑ بلا رہی ہے تمہیں فاطمہؑ بڑھو

اے چرخِ افتخار کے شمس و قمر بڑھو!
عباسؑ منتظر ہیں، علیؑ تیز تر بڑھو!

۵۸

ہاں قدسیانِ کنگرۂ عرش گھر گھراؤ — اے تارہائے بربطِ آفاق جھنجھناؤ
مریمؑ کدھر ہو فاطمہؑ زہرا کے پاس آؤ — یوسفؑ! وہ آئے اکبرؑ و قاسمؑ، گلے لگاؤ

پیری شباب پہ ہے مروّت سے کام لو
یعقوبؑ! دستِ ابنِ مظاہر کو تھام لو

۵۹

جنباں ہے عرش اب نہ دھڑک اے دلِ دونیم — اصغرؑ کے پالنے کو ہلا، خلد کی شمیم
زلفِ حسین کھل کے بہے دجلۂ نسیم — در آ حجابِ قدس میں اے بندۂ عظیم

پیرے ہیں سایہ لہو میں انھیں سرخرو کرو
زہراؑ کے آنسوؤں سے فرشتو وضو کرو

٦٠

افسردہ جانِ حبیبؐ کی اے ناتوانیو ! — اے دخترِ بتولؑ کی جادو بیانیو
اے کشتگانِ راہِ فنا کی جوانیو ! — اے خیمۂ غریب کی جلتی کہانیو
ٹھنڈے ہیں تار، بربطِ ماتم سرشت کے
آؤ کھلے ہوئے ہیں دریچے بہشت کے

٦١

چھا اے حسینؑ مطلعِ ذوقِ ظہور پر — دامن کا سایہ ڈال تجلّائے طور پر
اے کربلا کے ابر! برس جا شعور پر — تا حشر دوڑ تارِ سنین و شہور پر
نام یزید رینگ مقاماتِ پست میں
اے فتحِ خود فریب بدل جا شکست میں

٦٢

ہاں جوش اب پکار کہ اے میرِ کربلا — اس بیسویں صدی کی طرف بھی نظر اٹھا
ہاں دیکھ یہ خروش یہ ہلچل یہ زلزلہ — اب سینکڑوں یزید ہیں کل اک یزید تھا
طاقت ہی حق ہے شور ہے یہ گاؤں گاؤں میں
زنجیر پڑ رہی ہے پھر انساں کے پاؤں میں

٦٣

پھر جنگ و جبر و جور پہ انساں کو ناز ہے — پھر آدمی پلنگ ہے کرگس ہے باز ہے
دل ہیں علیل ذوقِ ہوس چارہ ساز ہے — پھر حُبِّ اقتدار کی رسّی دراز ہے
ذاتی مفاد پر ہیں سبک سر اڑے ہوئے
چاندی کے پھر بھنور ہیں گلوں میں پڑے ہوئے

٦٤

رَو ہے وہ حرص کی کہ ٹھکانے نہیں ہیں ہوش — بھٹکے ہوئے انا پہ معلّق ہیں چشم و گوش
پھر آدمی ہے صلح نما و جدل فروش — سینے خزف بدست، زبانیں گہر بدوش
آ اور زلفِ لیلیٰ ہستی سنوار دے
ڈوبی ہوئی ہیں وقت کی نبضیں ابھار دے

(۶۵)

تو وہ ہے جو سخن سے نہ سہما نہ دار سے مگر ترے ثبات نے لی کوہسار سے

فتنوں کے سر جھکائے خمِ ذوالفقار سے تو نے غرور چھین لیا شہریار سے

بیعت کی خواستگار حکومت نہیں رہی

شاہی میں تیرے بعد یہ جرأت نہیں رہی

(۶۶)

تو نے ثبات و صبر کے دریا بہا دیئے سارے نقوشِ ہیبتِ سلطاں مٹا دیئے

فتنوں کے سر جھکائے پرخچے اڑا دیئے تو نے زمیں پہ فقر کے سکّے بٹھا دیئے

تیرے لہو نے طرحِ عناں گیر ڈال دی

تو نے ہوس کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی

(۶۷)

قصرِ تجلّیات ہے ویراں ترے بغیر ظلمت کی اک کرن ہے رگِ جاں ترے بغیر

نا معتبر ہے عظمتِ انساں ترے بغیر گونگے کا ایک خواب ہے قرآں ترے بغیر

لبہائے مہر بستۂ حق کی زباں ہے تو

مصحف ہے اک منارۂ جادہ، اذاں ہے تو

(۶۸)

جھٹکوں نے رکھ دیا تھا زمیں کو جھنجھوڑ کر خنداں تھا جہل، علم کی آنکھوں کو پھوڑ کر

نازاں تھا سنگ شیشۂ رنگیں کو توڑ کر "لا" مڑ رہا تھا دامنِ "الّا" کو چھوڑ کر

تو نے قصورِ ذوقِ بغاوت کو ڈھا دیا

"الّا" کے در پہ "لا" کو دوبارہ جھکا دیا

(۶۹)

تو نے دلوں کو دولتِ بیدار بخش دی خوفِ اجل سے ہمتِ پیکار بخش دی

نطقِ گدا کو طاقتِ گفتار بخش دی پیشِ خدیو جرأتِ انکار بخش دی

مظلوم کے غرور کو بیدار کر دیا

ناطاقتیِ نبض کو تلوار کر دیا

(۴۰)

تو نے زباں ہلائی تو شمشیر چل گئی — بدلی نظر، خیال کی دنیا بدل گئی
کی حریت کی شرح تو زنجیر گل گئی — چھٹکائی چاندنی تو کڑی دھوپ ڈھل گئی
شبنم کی بوند اٹھائی گھٹائیں سرک گئیں
شیشے کی چوٹ دی تو چٹانیں درک گئیں

(۴۱)

تیری نئی دبیں میں عبدِ الٰہ خو — جب تو ہنسا تو سنگ بنا گلگ رنگ و بو
اور جب کبھی بگڑ کے ہوا گرم گفتگو — آہن کے جوہروں سے ٹپکنے لگا لہو
مولا! تری سرشت نے سانچے میں ڈھال کے
ڈانڈے ملا دیے ہیں جمال و جلال کے

(۴۲)

ہاں اے حسینؑ مصلحِ افکار مرحبا! — اے بے نیازِ اندک و بسیار مرحبا!
اے تیغِ انقلاب کی جھنکار مرحبا! — اے دستِ کردگار کی تلوار مرحبا!
تو نے لہو سے شمع جلا دی عقول کی
ہوتا نہ تو تو نبض نہ چلتی اصول کی

(۴۳)

ہاں اے حسینؑ جامعِ اضداد السلام — اے برقِ آشیانۂ صیاد السلام
اے فخرِ دہر و نازشِ اجداد السلام — اے افتخارِ حکمتِ ایجاد السلام
تیرے لہو کی نہر جو مواج ہو گئی
بارِ دگر رسولؐ کو معراج ہو گئی

(۴۴)

بیگانہ ہوں تصورِ حق کے جہات سے — واقف نہیں چگونگیٔ واقعات سے
باہر کھڑا ہوں محفلِ ذات و صفات سے — اور مطمئن نہیں ہوں نظامِ حیات سے
جس میں بھری ہے آگ وہ تپتی زباں ہوں
میں نظمِ زندگی سے بہت بدگماں ہوں

موتی وہ کون سے ہیں جو میں رولتا نہیں — عقدے وہ کون سے ہیں جنہیں کھولتا نہیں

(۷۵)

وہ کیا حقیقتیں ہیں جنھیں تولتا نہیں — تیرا لحاظ ہے کہ میں کچھ بولتا نہیں

یا میری سمت گوہرِ اسرار رول دے

یا پھر مری زبان کی زنجیر کھول دے

اے ناخدائے کشتیٔ افکار المدد! — فرمانروائے کشورِ اسرار المدد!

(۷۶)

اے بابِ شہر علم کے دلدار المدد! — اے جانشینِ احمدِ مختار المدد!

داتا گدائے راہ کا ارماں نکال دے

کونین کو فقیر کی جھولی میں ڈال دے

مرثیہ ⑤

طلوعِ فکر

جب چہرۂ اُفق سے اُٹھی سرمئی نقاب

بند، ۱۱۰

تصنیف ـــــــــ ۱۹۵۷ء

یہ رات جو گُنگنا رہی ہے ساقی

پیغامِ عرُوج لا رہی ہے ساقی

کوثر پہ ہے اِنتظار شاید میرا

آوازِ حسینؑ آ رہی ہے ساقی

جب چہرۂ اُفق سے اُٹھی سُرمئی نقاب — کانپے نجوم، زرد ہو، روئے مہ تاب
کھنکے فلک کے جام، کھُلے سُرخیوں کے باب — اُڑنے لگا عبیر، برسنے لگی شراب (۱)

رنگوں کی آب و تاب چرانے لگی فضا
آہستگی سے ہوش میں آنے لگی فضا

چونکی زمیں، تبسّم پنہاں لیے ہوئے — افسانۂ شباب کا عنواں لیے ہوئے
روئے خنک پہ رنگِ شبستاں لیے ہوئے — آنکھوں کے جھٹ پٹے میں چراغاں لیے ہوئے (۲)

تاروں کی چھاؤں جذب کیے بھیرویں اُٹھی
گویا بڑی لٹک سے کوئی نازنیں اُٹھی

گردوں سیاہ ابر کے پارے لیے ہوئے — پاروں کی جھلملی میں شرارے لیے ہوئے
کاجل میں، نکھریوں کے ستارے لیے ہوئے — چمن میں بادلے کے کنارے لیے ہوئے (۳)

طوفان بادلے میں عجب پیچ و تاب کے
اور موج پیچ و تاب میں تختے گلاب کے

بے چین ظلمتوں میں بہکتی ہوئی فضا — نو کار ضو کی سر سے ڈھلکتی ہوئی ردا
کہسار کی وادیوں سے جھلکتی ہوئی ضیا — جس طور سے کہ بھاپ کی چادر میں "دیا (۴)

گویا نقاب، جلوۂ جاناں لیے ہوئے"
یا شمع ہے کوئی تہِ داماں لیے ہوئے"

۵

نوخاستہ فضاؤں میں اک طرفہ پیش و پس — بجتا ہوا ندی میں ملایم نوا جرس
کھلتی ہوئی زمیں کی کمانی بہر نفس — شبنم کے آب و رنگ میں پچھلے پہر کا رس
گل چہرہ پتیوں پہ نگینے جڑے ہوئے
گوشِ چمن میں اوس کے بُندے پڑے ہوئے

۶

ہلتی سی ٹہنیوں میں، زرافشاں سے برگ و بار — اٹھتی سی چلمنوں سے، جھلکتا سا، روئے یار
جنباں سی تیرگی میں، سلونے سے مرغزار — رقصاں سی روشنی میں، سہانا سا روزگار
دن ہے کہ رات، ایک تزلزل سا رائے میں
طفلی کا اضطراب جوانی کے سائے میں

۷

گردوں ادھر طلائی تو، اس سمت نقرئی — یہ پارہ سَرْدئی ہے تو وہ پارہ سرمئی
اک گوشہ کتھئی ہے تو اک گوشہ پستئی — مغرب جو گروئی ہے تو مشرق ہے چمپئی
کانٹے پہ دل بری کے، فضائیں تُلی ہوئی
تا دور زلف و رُخ کی دکانیں کھلی ہوئی

۸

سوئے افق بڑھی جو جھجکتی ہوئی ضیا — دوشیزۂ فضا کی مہکنے لگی قبا
آہستگی سے مہرِ تنک ضو ابھر چلا — بجنے لگا خیال میں سونے کا دائرا
برسا گلال ذہن پہ، کندن خیال پر
نوبت بجی منارۂ ذوقِ جمال پر

۹

کچھ مل گئے سے نور میں سرخی گندھی ہوئی — تھرا کے آسماں سے زمیں پر مچل گئی
پودوں نے سر اٹھائے، گلستاں نے سانس لی — سبزے پہ کُن مُنائی بسیہ چشم روشنی
ہر پنکھڑی میں، دفترِ افسانہ کھل گیا
دوشِ فضا پہ ایک صنم خانہ کھل گیا

بڑھنے لگا شکوہ سے پھر کنسدنی طبق — رہ رہ کے کروٹیں سی بدلنے لگی شفق
کھلنے لگا فضائے خنک پر نشانِ حق — (۱۰) — گردوں کتاب زر کے الٹنے لگا ورق
موتی گرے زمین پہ شاخیں لچک گئیں
بوسے لئے صبا نے تو کلیاں چٹک گئیں

دل نے نوید آمدِ فصلِ بہار دی — موجِ صبا نے دعوتِ چنگ و ستار دی
انوار نے وہ کسوتِ نقش و نگار دی — (۱۱) — سینے کی آسماں نے دلائی اتار دی
بالائے چرخ، صبح کا تارا چمک اٹھا
جیسے کسی بلاق کا موتی جھلک اٹھا

خورشید کی جبیں جو ذرا سی چمک گئی — ہیلائے تیرگی کی کلائی مڑک گئی
پھر ایک ضو جو ذرۂ شفق سے جھلک گئی — (۱۲) — گویا شرابِ تند سے مینا دڑک گئی
بنتِ عنب نے ہنس کے جو گھونگٹ اٹھا دیا
مشرق نے اک شراب کا دریا بہا دیا

منھ گلستاں میں لیلیٔ شب کا اتر گیا — بھونرا فضائے باغ سے پرواز کر گیا
مہکی زمین، سطح سے بستاں ابھر گیا — (۱۳) — ہر نظارہ وقتِ گریزاں ٹھہر گیا
آیا جو لالہ زار میں جھونکا نسیم کا
ترا غنودہ کنج میں ڈولا شمیم کا

چھوٹی کرن، زمیں کی گھٹن دور ہو گئی — شبنم کی بوند بوند خمِ نور ہو گئی
دنیا تمام جلوہ گہِ طور ہو گئی — (۱۴) — ہر پنکھڑی جوان ہوئی حور ہو گئی
تابش، نویدِ شرح، پئے صدر ہو گئی
گویا جہاں میں صبح شبِ قدر ہو گئی

(۱۵)

ٹھنڈی ہوا دلوں کو جگاتی ہوئی چلی
پچھلے پہر کے گیت سناتی ہوئی چلی
ہر خوابگاہِ ناز میں گاتی ہوئی چلی
مکھڑوں پہ کاکلوں کو ہلاتی ہوئی چلی
دودِ چراغِ کشتہ کی زلفیں بکھر گئیں
غُرفے ہلے بھووں کی کمانیں اُتر گئیں

(۱۶)

چونکے نگار، ذہن میں جیسے کوئی قیاس
ناشستہ عارضوں میں لئے صبح کی مٹھاس
پنڈوں کی گرم بھاپ میں باسی گلوں کی باس
آنکھوں میں رنگ رنگ میں خوابوں کا انعکاس
خوابوں کا انعکاس کہانی لئے ہوئے
انگڑائیوں میں کیفِ جوانی لئے ہوئے

(۱۷)

بجتی ہوئی ہواؤں میں بھیگے ہوئے بدن
آنکھوں میں فرشِ خواب کی غلطیدہ ہر شکن
ڈوروں کی سرخیوں میں یمِ بادہ موج زن
چہروں پہ اینڈ اینڈ کے سونے کا بانکپن
روندے ہوئے تمام دوشالے پڑے ہوئے
ٹوٹے ہوئے زمین پہ مالے پڑے ہوئے

(۱۸)

ڈوبے لٹوں کے سائے جبینوں کے ماہ میں
جیسے یقین کشمکشِ اشتباہ میں
راتوں کے پینگ سایۂ زلفِ سیاہ میں
بوجھی نہ جائے جو وہ پہیلی نگاہ میں
لب، طعنہ زن، طہارتِ بربط نواز پر
مکھڑے، وہ گیت بج نہیں سکتے جو ساز پر

(۱۹)

اعضا کے پیچ و تاب میں خوابِ گراں کی زد
انفاسِ مشک بار میں سوزِ نہاں کی زد
رنگیں لبوں پہ آتشِ آبِ مغاں کی زد
آنکھوں کی سطحِ سرخ پہ لاکھ داستاں کی زد
غلطیدہ فصلِ گل کی گھٹا چشمِ ناز میں
رودادِ شب تموّجِ زلفِ دراز میں

انگڑائیاں جو آئیں تو آنکھیں جھلک گئیں
رگ رگ میں دودوں کی کمانیں کڑک گئیں
رخسار پر شباب کی کلیاں چٹک گئیں ⑳
جو چوڑیاں خموش پڑی تھیں کھنک گئیں
موباف میں اسیر شبِ تار ہو گئی
جوڑا بندھا تو صبح نمودار ہو گئی

موجِ نسیم، تان اڑاتی ہوئی چلی
مرغانِ خوش نوا کو جگاتی ہوئی چلی
پتلی کمر کا لوچ دکھاتی ہوئی چلی ㉑
زرّیں پھریرا کرنے سے بجاتی ہوئی چلی
کروٹ فضا نے لی چمن روزگار نے
گل ہنس پڑے، نقاب الٹ دی بہار نے

گھر سے چلے تو گھر گئے کرنوں میں سیم تن
سونا ہوا شباب کی چاندی پہ ضو فگن
کرنوں سے بڑھ گئی لبِ رخسار کی پھبن ㉒
ہیرے کی تختیوں پہ مچلنے لگی کرن
چہروں کی آب و تاب جنوں خیز روپ میں
یا چاندنی کھلی ہوئی نو عمر دھوپ میں

الوان کا جلوس چلا کوہسار سے
جھانکا کسی نے گوشۂ سرو و چنار سے
آنے لگی ہوائے فسوں لالہ زار سے ㉓
اٹھنے لگی دھوئیں کی گھٹا جوئبار سے
نکلے بڑھے تو نور کی فوجیں ٹھٹک گئیں
گویا ہوا پہ سیکڑوں پلکیں جھپک گئیں

ٹھٹکی، مڑی، روانہ ہوئی نور کی سپاہ
دمکے کلس، اٹھائی در و بام نے نگاہ
ماتھے پہ آسمان کے کج ہو گئی کلاہ ㉔
دکھلا دی فضا نے سرخ شلوکے میں قرصِ ماہ
سبزے کی روح مست ہوئی، جھومنے لگی
شبنم کے موتیوں کو کرن چومنے لگی

۲۵

چلنے لگیں ہوائیں، چہکنے لگے طیور — رنگیں بلندیوں پہ چھنکا ولولوں کا ظہور
ذرّات کی جبیں سے اُبلنے لگا سُرور — پَر پھڑپھڑائے، جاگ اٹھا خاک کا غرور
جھونکوں نے حوصلوں کو چڑھایا جو سان پر
اُڑنے لگا زمیں کا طبق آسمان پر

۲۶

صحرا و دشت و وادی و گل زار و گل چکاں — گنگ و ترنگ و رنگ گہر بار و مے فشاں
درّاج و کبک و قمری و طاؤس، نغمہ خواں — ملّاح و موج و قلزم و کشتی، رواں دواں
ساحل کے موڑ، سُرخ کمانیں لیے ہوئے
موجیں تمام مُنھ میں زبانیں لیے ہوئے

۲۷

اوجِ فضا پہ رایتِ زرتار گاڑ کر — نکلی ضیا اُفُق کا گریبان پھاڑ کر
ذرّے بسائے خاک نے تارے اُجاڑ کر — انگڑائی لی حیات نے افشاں کو جھاڑ کر
مستی چُھٹی، لبوں کی چمک دُور تک گئی
کنگن گھما دیا تو کلائی دَمک گئی

۲۸

اُبٹن ہوا کی موج پہ گل زار نے مَلا — کنگنا کلائی میں جو بندھا، کھل گئی فضا
کُنجوں کو دھوپ چھاؤں کا جوڑا عطا ہوا — بدّھی پڑی گلے میں تو گل زار جھوم اُٹھا
اُترا گلاب و قند، جماد و نبات پر
سہرا بندھا جبینِ عروسِ حیات پر

۲۹

جلووں کا سیل، سوئے گل و یاسمن مڑا — ضَو کا جلوس جانبِ گنگ و جمن مڑا
ذرّوں کی سمت، ناقۂ لعلِ یمن مڑا — دریائے سوءِ ظن طرفِ حسنِ ظن مڑا
لَے نے کیا سنگار، ترانوں کی چھاؤں میں
گھنگرو بندھے نگارِ خموشی کے پاؤں میں

(۳۰)

سُرخی بڑھی فضاؤں پہ تابندگی کے ساتھ — تابندگی، جمال کی رخشندگی کے ساتھ
رخشندگی، شمیم کی بافندگی کے ساتھ — بافندگی، رباب ودفِ زندگی کے ساتھ
اور زندگی، تصوّرِ مُطلق لئے ہوئے
انفاس میں خروشِ اَنَا الحق لئے ہوئے

(۳۱)

دھومیں لئے، زمیں کی طرف سرخوشی چلی — احساس کی ترنگ، سوئے بے حسی چلی
غفلت کی سَمت از سرِ نو آگہی چلی — سونے کا تھال سر پہ لئے زندگی چلی
سارنگیاں چھڑیں چمنِ روزگار میں
"حق ہمّرہ" کی گونج اُٹھی لالہ زار میں

(۳۲)

نازل ہوئے دلوں پہ بلوریں تصوّرات — پائی خیامِ ذہن نے زربفت کی قنات
کولے پہ ہات رکھ کے تھرکنے لگی حیات — خُونک لئے ہوئے حرکت کی چلی برات
خورشید کے وُرود سے گُل زار جاگ اُٹھا
یوسف جو آئے، مصر کا بازار جاگ اُٹھا

(۳۳)

یوں نہیں، فرازِ رُوح پر اُبھرا اک آفتاب — دیں کا نشاں، خِرد کا عَلَم، آگہی کا باب
حق ساز، حق نواز، حق آواز، حق مآب — مقصودِ عرش، مورثِ افلاک، بُوتراب
عرفانِ زندگی کا عَلَم کھولتا ہوا
بندِ قبائے لوح و قلم کھولتا ہوا

(۳۴)

پیدا ہُوا مرودِ ازل سلسبیل میں — اُتری شُعاع، سینۂ فکرِ جمیل میں
روشن ہوئے چراغ دیارِ خلیل میں — جُنبش ہوئی دوبارہ پرِ جبرئیل میں
چھَنے لگی شعاع، تفکّر کے باب سے
پھُوٹی کرن، جبینِ رسالت مآبؐ سے

۳۵

نکھرا ادب، خیال کو حاصل ہوئی زباں — دمکی جبینِ حرف پہ معنیٰ کی کہکشاں
چھلکیں شرابِ نغمۂ حق کی گلابیاں — داؤدیت نے پیش کیا تاجِ زرفشاں

یوسف بڑھے جمالِ فراواں لئے ہوئے
پریاں در آئیں، تختِ سلیماں لئے ہوئے

۳۶

لفظوں کی موج رنگ میں غلطاں ہوئے گہر — لہجے کی آب جو میں چلی کشتیٔ قمر
نوکِ قلم سے علم کی، طالع ہوئی سحر — اور پھر سحر کی چھوٹ پڑی ذوالفقار پر

بالائے ذوالفقار، علَم جگمگا اُٹھا
اور ضوفشاں علَم پہ قلم جگمگا اُٹھا

۳۷

گھومی کلیدِ فضل، کھلا قفلِ فیضِ عام — ناگاہ آسمان پہ گونجا زمیں کا نام
گردش میں آئے نعرۂ صلِ علیٰ کے جام — پڑھتے ہوئے درود بڑھے انبیا تمام

کعبے کے گرد ایک کرن گھومنے لگی
روحِ محمدِ عربی جھومنے لگی

۳۸

شب ہائے این و آں میں ہوئی صبح منجلی — بادِ مراد، ناز سے، مچلی گلی گلی
عرفانِ کائنات کی چٹکی کلی کلی — اور روحِ ارتقا نے پکارا کہ "ائے علیؑ"

"لے یہ کلیدِ علم، یہ گیتی کا باب ہے
اس خاک کو اُبھار کہ تو بوتراب ہے

۳۹

"اُٹھ، اور جلا چراغ، سرِ سبزِ آب و گِل" — "لا ختنکوں کو کھینچ کے جیشوں کے متّصل"
"چونکا انھیں، جو خاک کے ادراک میں مضمحل" — "سینے میں اس زمیں کے دھڑکتا نہیں ہے دل

"ڈوبی ہوئی ہے نبض جہانِ علیل کی"
"پیدا کر اس جمود میں رَو سلسبیل کی"

(٤٠)

"اے خاتمِ ضمیرِ آفاق کے نگیں" "اے کارسازِ نور و کُلاہِ سرِ یقیں"

"اس بات کو زمیں پہ کوئی جانتا نہیں" "یعنی خُدا کی چیز بھی موجود ہے کہیں"

"کوئی زمیں پہ تو ہے، نہ ضَو آسمان پر"

"بنیادِ اعتقاد رکھ اپنی زبان پر"

(٤١)

"انکارِ کبریا کے براہین ہیں طویل" "اور دین کے خلاف ہے دنیا کا ہر وکیل"

"نقاش و نقش و صانع و مصنوع کی دلیل" "اس دور میں ثبوتِ خدا کی نہیں کفیل"

"ہاں بابِ امن کھول، درِ فتنہ بند کر"

"باتوں پہ ناطقے کے خُدا کو بلند کر"

(٤٢)

"ہاں شمعِ ذاتِ خیمۂ الفاظ میں جلا" "لیلائے حق کو محملِ تقریر میں بٹھا"

"گوشِ بشر کو چشمِ حقیقت نگر بنا" "کانوں سے لوگ دیکھ سکیں جلوۂ خُدا"

"تیرے بیاں پہ غُل غُلہ اُٹھے دُرود کا"

"یوں پیش کر ثبوت خدا کے وجود کا"

(٤٣)

"وحدت کے باب میں نہ اگر کد کریگا تو" "پائے گا کبریا کا تصور نہ آبرو"

"فکرِ بشر نماز پڑھے گی بلا وضو" "تا یوم دیں صمد میں رہے گی صنم کی بو"

"لپٹا ہوا تعفنِ وہم و قیاس میں"

"دائم خُدا رہے گا بشر کے لباس میں"

(٤٤)

"چمکے گا تیری فکر سے ہر گوشۂ جمال" "لائے گا تو خیال کے موسم میں اعتدال"

"انساں کے ذہن میں ہیں جو اشکالِ ذوالجلال" "اک تو ہی لا سکے گا اُن اشکال پہ زوال"

"یہ تو کہے گا جلوہ بجز واہمہ نہیں"

"جو دیکھنے میں آئے، وہ بُت ہے خدا نہیں"

(۴۵)

"دنیا کو تو بتائے گا یہ نکتہ جمیں"
"یعنی ازل سے ایک توانائیِ جلیل"

"جس کی کوئی نظیر، جس کا کوئی عدیل"
"اس کارگاہِ وقتِ گریزاں کی ہے کفیل"

"اظلال و انجذاب نہ وہ انعکاس ہے"

"دنیا سے دُور ہے نہ وہ دنیا کے پاس ہے"

(۴۶)

"انسان کے مزاج کی اس میں نہیں ہے بُو"
"وہ کچھ نہیں ہے، کچھ بھی نہیں ہے سوائے ہُو"

"وہ شاہِ نرم طبع، نہ سلطان تُندخُو"
"وہ دل نواز دوست، نہ ہمّت شکن عدو"

"وہ پائے بندِ رسمِ وفا و جفا نہیں"

"جذبات جس پہ ٹوٹ پڑیں وہ خدا نہیں"

(۴۷)

"ہاں، دن کو، تو، کریگا بیہ مات سے جُدا"
"ذہنی حقیقتوں کو روایات سے جُدا"

"اللہ کو تمام قیاسات سے جُدا"
"اسمار و وصف و سمت و اشارات سے جُدا"

"داغوں سے تو خرد کے ورق کو بچائے گا"

"شخصی تعیّنات سے حق کو بچائے گا"

(۴۸)

"پرکھے گا تیرا علم ہی اس کائنات کو"
"جانچے گی تیری عقل ہی خونِ حیات کو"

"وہ تو ہے جو کھرچ کے نقوشِ صفات کو"
"دیکھے گا اک حکیم کے مانند ذات کو"

"بے حد کو حبس خانۂ حد سے چھڑائے گا"

"تو کبریا کو دامِ عدد سے چھڑائے گا"

(۴۹)

"آبِ مکاں، امامِ زماں، آیۂ مبیں"
"کنزِ علوم کاشفِ سر، کعبۂ یقیں"

"قاضیِ دہر قبلۂ دوراں، قوامِ دیں"
"منشائے عصر، معنیٔ کُن، میرِ عالمیں"

"تابندگیٔ طُرّۂ طرفِ کلاہِ علم"

"مولائے جاں، رسولِ تمدّن، الٰہِ علم"

"آوازِ جاں نواز، ترنّم، جہاں فروز" ٥٠ "تیور، تمام ساز، تکلّم، تمام سوز"

"دانش، مہِ دو ہفتہ، نظر، مہرِ نیم روز" "تقریر، فہم باف، خموشی، خیال دوز"

"تجھ سے جو آشنا ہے، وہ جوہر شناس ہے"

"تیری زبان، ذہنِ بشر کا لباس ہے"

"تیرا سخن وہ سیلِ جوابات بے مثال" ٥١ "شاداب جس کی موج سے ہر تشنہ لب سوال"

"تیرا ہر ایک لفظ، دو صد مکتبِ خیال" "تیری زباں میں روشنیٔ وجہِ ذوالجلال"

"ہوتا نہ تو، تو سان نہ چڑھتی یقین پر"

"قرآن کی زبان نہ کھلتی زمین پر"

"تو دیکھتا ہے کاہ میں طوفانِ کہکشاں" ٥٢ "ذرّاتِ بے سواد میں، شہروں کے کارواں"

"تخمِ تنک وجود میں، صحرائے بے کراں" "نقطے کی جیبِ تنگ میں فرہنگِ این و آں"

"کانٹے میں سیلِ جلوۂ گُل دیکھتا ہے تو"

"ہر جُزو میں، تجلّیِ کُل دیکھتا ہے تو"

"اے صدق کے محیط، حقائق کے آبشار" ٥٣ "اے حق کے بادشاہ، معارف کے تاجدار"

"اے علم کے خدیو، تفکّر کے شہریار" "نوعِ بشر کو فکر و عمل کی طرف پکار"

"ہاں، صبحِ زندگی کی شفق ہے ترا وجود"

"ایفائے عہدِ رحمتِ حق ہے ترا وجود"

"تجھ کو ہے کس قدر ابدیت سے اتصال" ٥٤ "تیرا ہر اک دقیقہ دو صد قرنِ بے مثال"

"تیری ہر ایک موجِ نفس میں بصد جمال" "رفتارِ نور کے ہیں پَر افشاں ہزار سال"

"تیرا مقام، دائرۂ عزّ و جل میں ہے"

"عمرِ مسیح و خضر، ترے ایک پل میں ہے"

"جلوت میں بادشاہ ہے خلوت میں تو فقیر" ⑤⑤ "جنگاہ میں جوان، حریمِ خرد میں پیر"
"دشتِ دغا میں طبل، ادب گاہ میں صریر" "میدان میں حدید، مقالات میں حریر"

"سو معجزوں کا عطر ہے تیری حیات میں"
"اضداد کس قدر ہیں تری ایک ذات میں"

"شہرِ ادب، مفسرِ آیاتِ دل نشیں" ⑤⑥ "نقادِ فن، مصورِ اشکالِ ما و طیں"
"میرِ دماغ، محورِ دل، مصدرِ یقیں" "دستورِ حق، مبصرِ دنیا، فقیہِ دیں"

"نباضِ شرع و زورقِ جیحونِ زندگی"
"خاقانِ دہر و واضعِ قانونِ زندگی"

"دنیا کی قاہری کا تسلط ہے دین پر" ⑤⑦ "سجین کا قدم ہے سرِ علیین پر"
"کانپے، بدر کے نورِ شہور و سنین پر" "اے آسمانِ رشد اتر آ زمین پر"

"یوں گوشِ دل میں جذب یہ گفتار ہو گئی"
"بیدار علیؑ کے ساز میں جھنکار ہو گئی"

"ناگاہ جھن جھنائے فضا کے تمام تار" ⑤⑧ "بڑھنے لگی شعاع، سمٹنے لگا غبار"
"بہرِ سلام، ادب سے جھکا فرقِ روزگار" "آواز دی نقیبِ فلک نے کہ ہوشیار"

تھامے رکاب دولتِ دنیا و دیں چلی!
سوئے زمیں سواریِ عرشِ بریں چلی!

چلمن حریمِ عالمِ ارواح کی اٹھی ⑤⑨ نکلی حجابِ قدس سے اک زندہ روشنی
ضوبارِ روحِ پنجتنِ پاک ہو گئی شمعِ حواسِ خمسۂ آفاق جل اٹھی

تاریکیوں سے روئے زمیں پاک ہو گیا
روشن تمام مطلعِ ادراک ہو گیا

۶۰

کس سے آفتابِ امامت عیاں ہوا — حلّالِ مشکلاتِ رسالت عیاں ہوا
یہ نظامِ شمسیِ قدرت عیاں ہوا — دارے کا، دربارِ مشیّت عیاں ہوا

خلّاقیت کا ذوق سرافراز ہوگیا
اک دورِ علم و فکر کا آغاز ہوگیا

۶۱

"تجھ سے فروغِ کشورِ دنیا و دیں میں ہے" — "ختمِ خانۂ وجود، ترے ساتگیں میں ہے"
"دریائے جود و فضل تری آستیں میں ہے" — "قرآں، ترے خطوطِ جبینِ مبیں میں ہے"

"مرکز ہے تو، زمین پہ حسنِ قبول کا"
"تو ہاتھ ہے خدا کا قسم ہے رسول کا"

۶۲

"تیرا جمال ہے کہ سر و برگِ لالہ زار" — "تیرا جلال ہے کہ تجلّائے ذوالفقار"
"تیرا دماغ ہے کہ نویدِ کشودِ کار" — "تیری نگاہ ہے کہ شعاعِ ابد سوار"

"تیری یہ ضو ہے گنبدِ لیل و نہار میں"
"یا حرفِ "کُن" ہے خاطرِ پروردگار میں"

۶۳

"تیرا وجودِ پاک نظرگاہِ مہر و ماہ" — "آنکھیں چراغِ کعبہ، زباں سازِ لا الٰہ"
"نقشِ قدم، جبینِ سماوات کی کُلاہ" — "اُمُّ الکتاب چہرہ تو حبلِ متیں نگاہ"

"شکلِ بشر میں آیۂ صدق و صفا ہے تو"
"اک ذی نفس دلیلِ وجودِ خدا ہے تو"

۶۴

"اے رہبرِ خجستہ روائے ہادیٔ نکو" — "عرفاں کا تو شکوہ، رسالت کی آبرو"
"تو ہی ہے سرِ مُدبّرِ دار القضائے ہو" — "تاریخِ روزگار کی دیرینہ آرزو"

"اٹھ، زندگی کو فکر ہے اپنے علاج کی"
"حاجت ہے ایک بندۂ یزداں مزاج کی"

محراب تیرگی جو ہوئی روشنی سے شق — سلمائے زندگی نے اُٹھایا ربابِ حق
(۶۵)
خود ہی کتاب علم کے کھلنے لگے ورق — نکلا حریم حرف سے ہر معنیٔ ادق

دورِ خزاں، چمن سے، بفرمانِ گُل گیا
اک مکتبِ جدید کا دروازہ کھُل گیا

جھُومی دیارِ نطق میں ابلاغ کی بہار — لفظوں کے زیر و بم میں چھڑے رُوح کے ستار
(۶۶)
فقروں کی تُند رو میں پرافشاں ہوئے شرار — گرنے لگے زمیں پہ ستاروں کے آبشار

لہجے میں ایک نہر سی مواج ہو گئی
لب ہل گئے زبان کی معراج ہو گئی

سینوں میں آگہی کا شرر جگمگا اُٹھا — گیتی پہ ماہِ علم و ہنر جگمگا اُٹھا
(۶۷)
گردوں پہ مہرِ نقد و نظر جگمگا اُٹھا — رُخسارۂ قضا و قدر جگمگا اُٹھا

دوشِ طرب پہ زلفِ مشیت بکھر گئی
بکھری، کمر تک آئی، کمر سے گزر گئی

ناقدریٔ کمال کا باطل ہوا اثر — چونکے دماغ، فکر بنی جنسِ معتبر
(۶۸)
بے چارگی کی خشت سے ٹھا سرِ ہنر — بے مائگی کی خاک سے اُبھری کلاہِ زر

ذرّاتِ نودمیدہ کو چوما نجوم نے
انگڑائی لی فضاؤں پہ قوسِ علوم نے

یک جا ہوئے تمام براہینِ منتشر — خلعت ملا دلیل کو، منطق کو چترِ زر
(۶۹)
اک نقطۂ عظیم پہ قائم ہوئی نظر — معنی ہوئے طویل، مقالات مختصر

فیضِ نظر سے کھوئی ہوئی شان مل گئی
فکرِ دقیقہ سنج کو میزان مل گئی

(۷۰)

گُل ہوگیا زمین پہ، اوہام کا چراغ
تشکیک سے یقین کو حاصل ہوا فراغ
جھونما نسیمِ عقل سے نوعِ بشر کا باغ
اُترا دماغ دل میں تو دل بن گیا دماغ
اُوجِ خرد پہ صبح کی سُرخی عیاں ہوئی
بیدار ہوئے تو حریمِ نظر میں اذاں ہوئی

(۷۱)

سلمائے روزگار کو، زرّیں قبا ملی
انسانیت کو، دولتِ صد ارتقا ملی
ہنستی ہوئی قدر کے گلے سے قضا ملی
آغوش میں رسول کو اپنی دعا ملی
جیسے ہی نصف نور ملا، نصف نور سے
اپنے کو کردگار نے دیکھا غرور سے

(۷۲)

منبر پہ آفتابِ تکلّم عیاں ہوا
موجِ مئے غدیر لئے، خُم عیاں ہوا
دریائے رحمت میں تلاطُم عیاں ہوا
انصاف کے لبوں پہ، تبسّم عیاں ہوا
ڈالی نگاہ، فخر سے، دنیا نے، دین پر
قرآن، آسمان سے اُترا زمین پر

(۷۳)

اسرارِ کائنات، اُٹھنے لگے نقاب
تعبیر کے حدود میں آئے زمیں کے خواب
معنی سے روشناس ہوا حرفِ خاک و آب
ایوانِ روزگار میں یوں آئے بوتراب
جیسے دُرودِ شبنمِ تابندہ پھول پر
گویا نزولِ وحی، بطونِ رسول پر

(۷۴)

احساس اندفاع کو طبل و علم ملا
قرطاسِ بے سواد کو زرّیں قلم ملا
زلفِ تصوّراتِ الٰہی کو خم ملا
اللہ کو ثبوت، نبی کو حشم ملا
فیضِ سخن سے دین کی تکمیل ہوگئی
اجمالِ ذوالجلال کی تفصیل ہوگئی

بیدار زندگی کے بجا ہو گئے حواس (۷۵) پہنا تصوّرات نے، افکار کا لباس
یوں علم و حلم کی محکم ہوئی اساس پیدا ہوئی زمین پر اک قوم حق شناس

جس سے بنائے قصرِ خدا داد پڑ گئی
اک مطمعِ نگاہ کی بنیاد پڑ گئی

اک مختصر گروہ کے بڑھنے لگے قدم (۷۶) برہم ہوا مزاجِ سلاطینِ ذی حشم
پھر بھی دُرونِ لشکرِ اشرار تازہ دم اعلانِ امرِ حق کے اٹھائے گئے علَم

ظلمت کے رہ رووں کو، دکھائے گئے چراغ
صحرا کی آندھیوں میں جلائے گئے چراغ

جس سے بنیں نقوش، وہ تصویر بن گئی (۷۷) تصویر اک شعاعِ جہاں گیر بن گئی
کانپی شعاع، مشرقِ تفسیر بن گئی تفسیر اک رُوات کی زنجیر بن گئی

زنجیر، طاقِ روح کی قندیل ہو گئی
قندیل، قوسِ عرش میں تبدیل ہو گئی

تاباں ہوئے علوم درخشاں ہوئے عقول (۷۸) روشن ہوا زمینِ تدبّر کا عرض و طول
معقولیت کے سر کو ملا افسرِ قبول شائستہ زندگی کے مرتّب ہوئے اُصول

جو برقِ طورِ فکر ہے، وہ نور مل گیا
دنیائے بے نظام کو دستور مل گیا

محرابِ حق میں رُوحِ خطابت ہوئی عیاں (۷۹) جھومیں سَروں پہ رشد و ہدایت کی بدلیاں
اٹھی نگاہ، خم ہوئے ابرو، کھلی زباں دوڑے ہوا پہ تیر، لچکنے لگی کماں

نکلی جو منھ سے بات، دلوں میں اُتر گئی
ذہنِ گریز پا کی سواری ٹھہر گئی

پیدا ہوئے حدیقۂ ملّت میں برگ و بار — زائل ہوا معاشرۂ حق کا انتشار
سیدھی ہوئیں صفیں تو مرتّب ہوئی قطار — مضرابِ اتحاد سے کانپے دلوں کے تار
(٨٠)
ماتھے پہ نقشِ ابروے پیوستہ بن گیا
یک جا ہوئے نفوس تو گل دستہ بن گیا

پایا حصارِ فرش نے ، عرشِ بریں کا باب — بیداریوں کی زد سے ، اُٹھے پردہ ہائے خواب
انفاسِ زندگی کا مرتّب ہوا حساب — اک لائحۂ عمل کی مدوّن ہوئی کتاب
(٨١)
سلائے زندگی کی تمنّا نکل گئی
خاکِ سیاہ ، نور کے سانچے میں ڈھل گئی

اُٹھی نگاہِ فضل ، پئے بارشِ کمال — دوڑا رُخِ کلام پہ تخییل کا جمال
پایا سخن کے جام نے افسردہ بلال — برسا ادب کے باغ پہ خورشید کا زلال
(٨٢)
بازارِ آب و رنگ میں فن کار آ گئے
شمعیں اُٹھائے ، ثابت و سیّار آ گئے

فیضِ نظر نے ، خاک کو بستاں بنا دیا — ہر ریشۂ گیاہ کو ، مژگاں بنا دیا
ہر خار و خس کو سنبل و ریحاں بنا دیا — ہر شاخِ بے ثمر کو رگِ جاں بنا دیا
(٨٣)
بے آب رو زمین کو ، گل زار کر دیا
تاروں کا رس نچوڑ کے ، ذرّوں میں بھر دیا

نکھرے ضمیر ، ذہن کو حاصل ہوا سرور — ایوانِ جاں کے طاق میں چمکا ، چراغِ طور
الفاظ آسماں کے منوّر ہوئے تصوّر — قرآں کے حروف میں داخل ہوا شعور
(٨٤)
ذوقِ سخن کو قوّتِ اعجاز مل گئی
تخییلِ کردگار کو آواز مل گئی

(٨٥)

بہرِ سلام، نیلی ارض و سما اُٹھی
دیکھا رُخِ قبول، تڑپ کر دعا اُٹھی
چٹکیں فضائیں، نیند سے ٹھنڈی ہوا اُٹھی
قبلے سے جھومتی ہوئی کالی گھٹا اُٹھی

کیا رُت بفیضِ قبلۂ حاجات آگئی
ساقی! خُدا کا شکر، کہ برسات آگئی

(٨٦)

برست، بنتِ رادی و جمنا و نیل و گنگ
مَے و سرود و بربط و عود و رباب و چنگ
طنبورہ و ربابہ و طاؤس و جل ترنگ
شعر و شراب و شاہد و شہ ناز و رقص و رنگ

برسات کی ہوائے مُعطّر کا واسطہ
مے خانہ کھول، ساقیِ کوثر کا واسطہ

(٨٧)

ساقی! ڈٹی ہوئی ہے خراباتیوں کی صف
پھیلا ہوا ہے، ابر گہربار ہر طرف
بوتل کا کاگ کھول، اٹھا کیف بار دف
لا بادۂ مدینہ و پیمانۂ نجف

تطہیر کی ردا ہے فلک پر تنی ہوئی
دے، دامنِ رسول خدا کی چھنی ہوئی

(٨٨)

ساقی! شگفتہ باد، وہ مے خانہ کُھل گیا
وہ بدلیاں ہواؤں پہ گرجیں وہ دف بجا
چمکیں وہ بجلیاں، وہ پرافشاں ہوئی فضا
وہ لو اُٹھی، وہ زمزمہ گونجا، وہ کاگ اُڑا

فتّاحِ بابِ منزلِ مقصد ہوئی پری
قصرِ بلور سے وہ برآمد ہوئی پری

(٨٩)

ساقی، برس رہی ہے گھٹا بولتی ہوئی
فرشِ زمیں پہ لعل و گہر رولتی ہوئی
سینوں میں کشتیوں کی طرح ڈولتی ہوئی
بوچھار سے دلوں کی گرہ کھولتی ہوئی

در کھول، قصرِ بادۂ انساں نواز کا
"یہ وقت ہے شگفتنِ گل ہائے ناز کا"

(۹۰)

گرجا فلک پہ ابر، بھرے شیخ بچوں نے جام
صحنِ علی کی موج سے گونجے ستون و بام
چہروں پہ رنگ مُل کے جھلکنے لگے خیام
قدسی تمام دوڑ پڑے، بہرِ انتظام
محرابِ حق کا نور نے پردہ اٹھا دیا
سجادہ، آسماں نے زمیں پر بچھا دیا

(۹۱)

کیا مے کدے کا رتبۂ عالی ہے، مرحبا
شیشوں پہ ہے بخطِ جواہر لکھا ہوا
مسند پہ، انبیا، تو پسِ خُم، ملائکہ
بطحا و کاظمین و خراسان و سامرا
محراب پر ہے درج، "یہ منزل شرف کی ہے
یہ کربلا کی مے ہے، وہ صہبا نجف کی ہے"

(۹۲)

غلماں ادب کے ساتھ لئے جامِ زرنگار
خدام کے لباس میں شاہانِ ذی وقار
رطلِ گراں کے طوف میں حورانِ گل عذار
رندوں کے سر پہ، دامنِ مولائے روزگار
خم آسماں، ساغرِ آبی لئے ہوئے
شانے پہ کائنات، گلابی لئے ہوئے

(۹۳)

گونجی ہوئی فضاؤں پہ، مستانہ ہاؤ ہو
ذرّوں سے بات چیت، ستاروں سے گفتگو
قُل قُل کی رد میں شعلۂ آوازِ "واشربو"
آواز میں ولا کے چھلکتے ہوئے سبو
خاصانِ حق شرابِ مودت پیے ہوئے
سینے تمام اخترِ رسالت لئے ہوئے

(۹۴)

ہر ایک چنگ، نغمۂ افسوں لئے ہوئے
ہر اک ترنگ، شوخیِ جیحوں لئے ہوئے
ہر اک امنگ، دولتِ قاروں لئے ہوئے
ہر ایک رنگ، قامتِ موزوں لئے ہوئے
ہر بار، ایک تان نئی، ٹوٹتی ہوئی
ہر زمزمے سے، ایک کرن پھوٹتی ہوئی

شیشوں میں روحِ کاہ کشاں ناچتی ہوئی
سینوں میں برقِ رطلِ گراں ناچتی ہوئی
(۹۵)
مسند پہ، جسمِ باغِ جناں ناچتی ہوئی
سازِ بقا پہ عمرِ رواں ناچتی ہوئی
چہروں پہ شام و جام کی سُرخی رچی ہوئی
رگ رگ میں ساز و ناز کی دھوم مچی ہوئی

آنکھوں میں غرفہ ہائے گلستاں کھُلے ہوئے
درہائے قصرِ دولتِ ایماں کھُلے ہوئے
(۹۶)
بندِ قبائے یوسفِ کنعاں کھُلے ہوئے
خُم کے قریب، رحل پہ، قرآں کھُلے ہوئے
رندانِ سرفراز پرافشاں ہواؤں پہ
ہاتوں پہ عرش، فرقِ سماوات پاؤں پر

غلطیدہ آسماں پہ، خُمستاں کی روشنی
اور خم کدے پہ، عترت و قرآں کی روشنی
(۹۷)
قرآن پہ، رسولؐ کے داماں کی روشنی
، ور چہرۂ رسولؐ پہ، یزداں کی روشنی
یزداں کی روشنی کا تموّج، قُلوب میں
اک سیلِ رنگ و نور، شمال و جنوب میں

افسوں بدوش بادگہِ آب آتشیں
اک نقطۂ طلسم پہ ٹھہری ہوئی زمیں
(۹۸)
اور قلب پر محیط، باندازِ دل نشیں
ایسی اک آن، وقت کا جس میں گزر نہیں
کثرت نوائے نغمۂ وحدت لئے ہوئے
ہر لمحہ، جیب میں، ابدیّت لئے ہوئے

اللہ ری موجِ نشۂ عالی کی سروری
ساقی! کچھ اور۔ گھوم گیا چرخِ چنبری
(۹۹)
گونجی بلندیوں پہ وہ آوازِ قنبری
ہاں، ور سوئے خُم وہ مُڑا عکسِ بوذری
ہاں ہاں، اسی روش سے چلے دور ساقیا
وہ موجِ سلسبیل اُٹھی۔ اور ساقیا

(۱۰۰)

بدلا، وہ دیکھ منظر و موسم کا انتظام
پل بھر میں، نورِ صبح تو پل بھر میں رنگِ شام
ایک آن میں فضاؤں پہ مہرِ جواں خرام
ایک آن میں، فراز پہ، ماہِ شگفتہ گام
کیا شوخیاں ہیں عالمِ راز و نیاز کی
پسلی پھڑک رہی ہے نشیب و فراز کی

(۱۰۱)

ضَلّ علی، فضائیں قمر بار و در فشاں
گل بیز و مشک ریز و جنوں خیز و مے چکاں
جھونکے، فسانہ بار، ہوائیں، ترانہ خواں
تُرکانِ شوخ، قوس کے پُل پر رواں دواں
صہبائے مشک بار سے رُوحیں دُھلی ہوئی
لیلائے عرش و فرش کی زلفیں کھُلی ہوئی

(۱۰۲)

ساقی، ہمیشہ یاد رہے گا یہ اہتمام
قصرِ حواس کے ہیں درخشاں ستون و بام
قدموں پہ میرے لوٹ رہا ہے مہِ تمام
بس، اب نہ دے شراب، کہ یہ بارھواں ہے جام
اس وقت دل کی جوت جگائے ہوئے ہوں میں
پلکوں پہ اس کُرے کو اُٹھائے ہوئے ہوں میں

(۱۰۳)

مینا کے سر پہ، دیکھ، وہ منبر عیاں ہوا
منبر پہ نور، ساقیِ کوثر عیاں ہوا
کانپا عرض، ہواؤں پہ جوہر عیاں ہوا
وہ آفتابِ طلعتِ حیدر عیاں ہوا
پڑنے لگا فضا پہ وہ پرتَو بتولؑ کا
اُڑنے لگا فلک پہ وہ دامن رسولؐ کا

(۱۰۴)

دمکا وہ آسماں، وہ فروزاں ہوئی زمیں
وہ خاتمِ جہاں کا درخشاں ہوا نگیں
جھکی فرازِ حق پہ وہ سبطین کی جبیں
لو، دے اُٹھا وہ ناصیۂ ختمِ مُرسلین
وہ آلِ مصطفٰےؐ کی سواری عیاں ہوئی
وہ روحِ کربلا کی عماری عیاں ہوئی

عباسؑ کے شباب نے زلفیں وہ کھول دیں — اکبرؑ کی وہ فضا پہ مسیں بھیگنے لگیں
وہ باوجودِ شیب، باندازِ دل نشیں — اُٹھی حبیب ابنِ مظاہر نے آستیں (۱۰۵)
موجِ ہوا پہ غمزۂ تیغِ دو دم کھُلا
وہ سطوتِ حسینؑ کا زرّیں عَلَم کھُلا

طوفاں میں وہ کشتیِ ایماں رواں ہوئی — قلزم میں، روحِ بحر شکن پرفشاں ہوئی
امواج سے وہ چادرِ زینبؑ عیاں ہوئی — وہ بادباں ہلے، وہ بھنور میں اذاں ہوئی (۱۰۶)
برپا دیارِ سیل میں کہرام ہوگیا
طوفاں، وہ دیکھ، لرزہ براندام ہوگیا

موجِ ہوا، ترانۂ تہلیل ہوگئی — کونین، زیرِ شہپرِ جبریل ہوگئی
احکامِ ذوالجلال کی تعمیل ہوگئی — منشائے کردگار کی تکمیل ہوگئی (۱۰۷)
انساں کی عظمتوں کے دفینے اُبھر گئے
وہ دیکھ، زندگی کے سفینے اُبھر گئے

ایوانِ سلطنت کے وہ در غرق ہوگئے — جن میں ہوا بھری تھی وہ سر غرق ہوگئے
وہ قصرہائے لعل و گہر غرق ہوگئے — اُٹھی لہو کی موج، بھنور غرق ہوگئے (۱۰۸)
چمکے عَلَم، وہ گنبدِ بدر و حنین پر
دمکا وہ تاجِ فتح، جبینِ حسینؑ پر

پھر موج اک اٹھی وہ بطحے میں ساقیا — جاگا خروشِ فتح ہر اک نَے میں ساقیا
بٹی ضیائے کون و مکاں لے میں ساقیا — وہ پھوٹی فضائے رگ و پے میں ساقیا (۱۰۹)
گونجی صدائے نغمۂ دل کائنات میں
شہنائیاں بجیں وہ حریمِ حیات میں

لے، وہ نجف کی سمت سے آنے لگی صدا
آ، اور جھوم جھوم کے نغماتِ نو سنا
اے جوش نکتہ سنج مری انجمن میں آ
۱۱۰
ساقی! مرا سلام ادب لے کے میں چلا
مولائے کائنات، اور آواز دے مجھے
اے جبرئیل! قوّتِ پرواز دے مجھے

(اس مسدس کے آخر میں کربلا اور شہدائے کربلا کا ذکر ہے اسلئے مرثیوں میں شامل کیا گیا)

سلام

محراب کی ہوس ہے نہ منبر کی آرزو
ہم کو ہے طبل و پرچم و لشکر کی آرزو

بامِ جدال و گردِ رہِ عزم کا ہے شوق
اورنگ کی ہوس ہے نہ افسر کی آرزو

کانٹوں پہ حق پرست بدلتے ہیں کروٹیں
بالش کا اشتیاق، نہ بستر کی آرزو

تعویذ کیا کروں گا کہ ان بازوؤں کو ہے
اژدر شکار قوتِ حیدرؑ کی آرزو

کرنا ہے اپنے خون میں ہم کو شناوری
تسنیم کی تڑپ ہے نہ کوثر کی آرزو

اس آرزو سے میرے ہو میں ہے جزر و مد
دشتِ بلا میں تھی جو بہتّر کی آرزو

رنگیں مزاجیوں کا نہیں ہے محل ہنوز
دل کو ہے خونِ مرحب و عنتر کی آرزو

رقصِ پری و شانِ و خرامِ صبا حرام
دل کو ہے ضربِ فاتحِ خیبر کی آرزو

ہاں عمرِ جاوداں کی ہمیں بھی نوید دے
لے موت، لے جوانئِ اکبرؑ کی آرزو

جوشؔ اُس سبوئے قلب پہ کون و مکاں نثار
غلطاں ہو جس میں ساقئِ کوثر کی آرزو

٭ ٭ ٭

مرثیہ ۶

"عظمتِ انساں"

اے قلم، چوبِ خضر، حبلِ متینِ ارشاد

بند، ۸۸

تصنیف ____________

۱

فروغِ داغِ جگر مہر و ماہ پا نہ سکے
وہ عشق ہی نہیں کونین پر جو چھا نہ سکے
خلیلؑ نے بھی نہ پایا عروجِ عزمِ حسینؑ
بنایا کعبہ مگر کربلا بنا نہ سکے

○

ائے قلم، چوبِ خضر، حبلِ متینِ ارشاد　　(۱)　　شانۂ گیسوئے خم دارِ عروسِ ایجاد
قلزمِ وقت میں تو زمزمۂ بادِ مراد　　تیری تاریخ میں بستی ہوئی صدیاں آباد

کرۂ خاک صد انوار و صد آثار کے ساتھ
رقص میں ہے تری پازیب کی جھنکار کے ساتھ

دونوں عالم کو اٹھائے ہوئے شانے تیرے　　(۲)　　بربطِ گیتی و گردوں میں ترانے تیرے
جسقدر بھی ہیں زمانے وہ زمانے تیرے　　تندرُو وقت کے دھاروں میں فسانے تیرے

دَورِ پارینہ کہ ہے موت کے ایوانوں میں
سانس لیتا ہے ترے زندہ کتب خانوں میں

تو، بصد ناز جدھر سے بھی گذر جاتا ہے　　(۳)　　جادۂ زیست کا ہر ذرہ سنور جاتا ہے
تو، مہ و سال کی یورش سے نکھر جاتا ہے　　ضربتِ وقت سے کچھ اور اُبھر جاتا ہے

توڑ دیتی ہے چٹانوں کو روانی تیری
رس پہ آتی ہے بڑھاپے میں جوانی تیری

نوک تیری جگرِ کوہ کو برماتی ہے　　(۴)　　نازنینوں کے کلیجوں میں اُتر جاتی ہے
تیری گھنگھور گھٹا دل پہ جو چھا جاتی ہے　　دونوں عالم کے برسنے کی صدا آتی ہے

تیری بوچھار میں ڈھلتے ہیں ترانے کیا کیا
مست رِم جھم میں کھنکتے ہیں فسانے کیا کیا

(۵)

تیرے سجدے میں ثریا کی بلندی غلطاں — تیرے لفظوں میں دو صد شمس و قمر زمزمہ خواں
تیری گفتار سے برنائیِ ذہنِ انساں — تیری رفتار سے رقصاں ہے نگارِ دوراں

تیری چوکھٹ پہ جبینیں ہیں جہاں داروں کی
سانس رُکتی ہے ترے نام سے تلواروں کی

(۶)

تیرا پرچم علم و چتر و عصا پر بھاری — اک اک حرف ترا ارض و سما پر بھاری
تیرا اک عشوہ دو عالم کی ادا پر بھاری — روشنائی تری خونِ شہدا پر بھاری

جسمیں عنصر ہے ابد کا وہ ہُنر ہے تجھ میں
دولتِ عمرِ مسیحا و خضر ہے تجھ میں

(۷)

تو خزف کو قمر و لعل و گہر دیتا ہے — شبِ تشنہ کو گلِ بانگِ سحر دیتا ہے
موجِ تخیل کو لفظوں میں کتر دیتا ہے — رُوح کاغذ کے مسامات میں بھر دیتا ہے

خامشی کو ہمہ تن ساز بنا دیتا ہے
تو خیالات کو آواز بنا دیتا ہے

(۸)

تیری ٹھوکر پہ سرِ قیصر و تاجِ فغفور — تیری مطرب حرکت لرزشِ مژگانِ شعور
تیرے آغوش میں آبِ خضر و آتشِ طور — تیرے سینے میں شبِ قدر و نمِ صبحِ ظہور

معتبر ہے جو گواہی سو گواہی تیری
صبحِ صادق کا سپیدہ ہے سیاہی تیری

(۹)

تو اک سطر میں تو شہر بسا دیتا ہے — طاقِ الفاظ میں قندیل جلا دیتا ہے
گُنگُناتا ہے تو کاغذ کو بجا دیتا ہے — فکر سی چیز کو آنکھوں سے دکھا دیتا ہے

جب تجھے معرضِ رفتار میں لے آتے ہیں
کتنے بُت ہیں کہ ترشتے ہی چلے جاتے ہیں

(۱۰)

اے قلم مسکن میزان و معارف مقیاس
علم بنیاد و ہنر محور و ادراک اساس

فکر پیما و نظر ناقد و فرہنگ شناس
مشعلِ قصر ادب، مشرقِ صبحِ قرطاس

نام تیرا سببِ جنبشِ لب ہائے رسولؐ
اے قلم موت کے لمحے کی تمنائے رسولؐ

(۱۱)

اے قلم نور فشاں ہو کہ دمک جائے زمیں
ظلمتِ وہم میں ضو بار ہو خورشید یقیں

حیف اس دورِ جواں پر کہ بہ ایں عقل مبیں
آدمی کی عظمت کا اسے اندازہ نہیں

حسنِ ارضی پہ سماوات کو شیدا کر دے
آدمی کیا ہے یہ دنیا پہ ہویدا کر دے

(۱۲)

آدمی، دولتِ دارین و متاعِ دوراں
آدمی نغمۂ داؤد و جمالِ کنعاں

آدمی وارثِ کونین و رئیس دو جہاں
آدمی بربطِ محرابِ جہانِ گُذراں

دَور میں نازشِ آفاق کا جام آتا ہے
لبِ گیتی پہ جب انسان کا نام آتا ہے

(۱۳)

فاتحِ مملکتِ باطن و ظاہر انساں
خسرو انجم و دارائے جواہر انساں

شاعر و مطرب و بُت ساز و مصوّر انساں
موجد و مصلح و مولا و مفکّر انساں

دیدۂ ارض و سماوات کا تارا انساں
قلزمِ وقت کا مڑتا ہوا دھارا انساں

(۱۴)

آدمی حسنِ شفق، نورِ سحر، بانگِ ہزار
بوئے گل، رنگِ حنا، موجِ صبا، رقصِ شرار

نغمۂ جوئے چمن، زمزمۂ ابرِ بہار
عشوۂ موسمِ گل، نازِ ہوائے کہسار

دستِ کونین میں سرشار کٹورا انساں
نرگسِ لیلیٔ ایجاد کا ڈورا انساں

اس کی آواز جلاتی ہے سُروں کی مشعل (۱۵) اس کی رفتار بجاتی ہے زمیں کی چھاگل
اس کرّے میں کہ عناصر ہیں جہاں گرمِ عمل معتبر اک فقط انسان ہے باقی مہمل

اس کے نغموں ہی سے فردوسِ عمل ہے دنیا
ورنہ اک واہمۂ لات و ہبل ہے دنیا

عشوۂ زہرہ جبیناں ہے اسی کے دم سے (۱۶) خاک، رقصاں و غزل خواں ہے اسی کے دم سے
دور میں جامِ بہاراں ہے اسی کے دم سے مستیٔ گردشِ دوراں ہے اسی کے دم سے

خیمۂ جشنِ شبستان میں سویرا ہو جائے
یہ جو اُٹھ جائے تو دنیا میں اندھیرا ہو جائے

کرۂ خاک ہے مدہوش، فضا خواب میں ہے (۱۷) ظلمت آلودۂ غفلت ہے، ضیا خواب میں ہے
شبِ تار و سحر لالہ قبا خواب میں ہے نجم و خورشید و قمر، ارض و سما خواب میں ہے

عقدہ ہے کون و مکاں، عقدہ کشا ہے انساں
اس سناپے میں فقط جاگ رہا ہے انساں

اسکی تخیّل کے حلقے میں جہاں رقصاں ہے (۱۸) نغمہ برلب ہے مکاں، دورِ زماں رقصاں ہے
شرمگیں لیلیٔ اسرارِ نہاں رقصاں ہے اسکی انگنائی میں روحِ دو جہاں رقصاں ہے

یہ رئیسِ قمری ہے یہ امامِ شمسی
اسکے انفاس پہ تُلتا ہے نظامِ شمسی

آدمی فاتحِ مستقبل امراض و اجل (۱۹) آدمی عربدۂ آخر و نازِ اوّل
صاحبِ قوس و ہلال و شفق و ابر و جبل آمرِ مہر و مہ و زہرہ و ناہید و زحل

شرفِ کعبہ و اعزازِ کلیسا انساں
زندگی محملِ رقصندہ ہے لیلیٰ انساں

اسکی محراب میں غلطیدہ فرشتوں کا درود　(۲۰)　اسکی سرکار میں جبریلِ امیں سر بہ سجود
اسکے انکار کی پاداش میں شیطاں مردود　　اسکا جنت سے ہبوط اصل میں ہیجانِ صعود

خلد کو تج کے بھڑکتی ہوئی جنت پائی
خاک کی گود میں آیا تو خلافت پائی

یہ شبِ ماہ کی جگ مگ، یہ سحر کا گلزار　(۲۱)　شبنمِ گل پہ یہ نوخیز شعاعوں کا نکھار
رقص کرتی ہوئی تتلی پہ یہ رنگوں کی پھوار　　آدمی کی فقط اک موجِ تبسم پہ نثار

لیلیٔ نغمۂ کن کا خم و چم ہے انساں
جس کی جھولی میں صمد ہے وہ صنم ہے انساں

نرم آنچوں پہ مہ و سال نے سینکا ہے اسے　(۲۲)　چاندنی نے طبقِ سیم میں گوندھا ہے اسے
سرخ تیشوں سے شعاعوں نے تراشا ہے اسے　　چھینیاں وقت کی ٹوٹی ہیں تو کھرچا ہے اسے

جوبن اپنا مہ و خورشید نے جب گھولا ہے
تب کہیں نور کے سانچے میں اسے ڈھالا ہے

مدتوں دایۂ فطرت نے کھلایا ہے اسے　(۲۳)　دودھ صدیوں نے لگاتار پلایا ہے اسے
کتنے بپھرے ہوئے دھاروں نے ترایا ہے اسے　　کتنی صبحوں کے تسلسل نے جگایا ہے اسے

کتنے قرنوں کی مشقت نے اجالا ہے اسے
خون تھو کا ہے عناصر نے تو پالا ہے اسے

ظلمت و نور، گل و خار، سرود و غوغا　(۲۴)　آب و آتش، خزف و برگ، سراب و دریا
پا بہ گل کوہ، رواں نہر، پراَفشاں صحرا　　چمپئی دھوپ، سیہ ابر، گلابی جاڑا

ان سب اضداد نے مل جل کے سنوارا ہے اسے
خاک نے کتنے جتن کر کے نکھارا ہے اسے

(۲۵)
اسکو جھولے میں جھلایا ہے صبا نے برسوں
لوریاں دی ہیں سمندر کی ہوا نے برسوں
اسکو پروان چڑھایا ہے فضا نے برسوں
اسکو چوما ہے لبِ ارض و سما نے برسوں

خاک گرداں کی پسینے سے نسیں بھیگی ہیں
تب کہیں خیر سے انساں کی مسیں بھیگی ہیں

(۲۶)
اسکے انفاس سے رخسارِ تمدن پہ شباب
اس کی آواز سے گلزار ترنم شاداب
اسکے ادراک کی چٹکی میں دو عالم کی نقاب
اسکی پلکوں کی جھپک ارض و سما کی مضراب

خاک پر زمزمۂ نہر جناں ہے انساں
دہنِ بیلیٔ عالم میں زباں ہے انساں

(۲۷)
مرغزار و چمن و وادی و کوہ و صحرا
سبزہ و شبنم و ریحان و گل و سرو و صبا
ذرّہ و اختر و مہر و مہ و دشت و دریا
سب یہ گونگے ہیں اٹھائے ازلی سنّاٹا

گرہِ ارض و سما کھول رہا ہے انساں
اس خموشی میں فقط بول رہا ہے انساں

(۲۸)
آدمی صاحبِ گیتا و زبور و قرآں
کفر ہے اسکی صباحت تو ملاحت ایماں
بانیٔ دیر و حرم، واضعِ ناقوس و اذاں
خالقِ اہرمن و موجدِ حرفِ یزداں

یہ جو عیب و ہنر و زشتی و زیبائی ہے
فقط انساں کی ٹوٹی ہوئی انگڑائی ہے

(۲۹)
دوزخِ دہر میں گلزارِ جناں ہے انساں
حلقۂ زلف و خمِ آبِ رواں ہے انساں
جنبشِ نبضِ مکاں، روحِ زماں ہے انساں
خاک ہے تاج محل، شاہجہاں ہے انساں

حاکمِ کون و مکاں، ناظمِ دوراں انساں
خاک اک رحلِ سبک سیر ہے قرآں انساں

(۳۰)

اسکے انفاس سے خوشبو میں روانی آئی | خامشی کو روشِ زمزمہ خوانی آئی
آگ در شن کو لگے تھال میں پانی آئی | اس نے دیکھا تو زلیخا پہ جوانی آئی

اسکی آواز نے در ہائے ادا کھول دیئے
طور سے بن نہ پڑا بندِ قبا کھول دیئے

(۳۱)

آدمی، حافظ و خیام و انیس و عرفی | غالب و مومن و فردوسی و میر و سعدی
خسرو، رومی و عطار و جنید و شبلی | یونس و یوسف و یعقوب و سلیمان و علی

خطبۂ حضرتِ خلاق کا منبر انساں
انتہا یہ کہ محمدؐ سا پیمبر انساں

(۳۲)

آپ کہتے ہیں کہ اللہ کو بندے پہچان | اور بیگانہ ہے انساں سے ابتک انسان
اس جہالت میں کہاں علم خدا کا امکان | شرطِ اول ہے کہ حاصل ہو بشر کا عرفان

ذکر ابھی آپ نہ اللہ کا للہ کریں
فقط انسان سے انسان کو آگاہ کریں

(۳۳)

ذہن جس وقت کہ ہوجائیگا انسان آگاہ | تو نکل آئیگا خود پردۂ انساں سے الٰہ
وحدتِ انفس و آفاق کو پالے گی نگاہ | اور شریعت یہ بنے گی کہ تکبر ہے گناہ

شور ہوگا نہ رہے کوئی وفا کا دشمن
بے شک انسان کا دشمن ہے خدا کا دشمن

(۳۴)

دوست اپنا ہے تو انسان کے دامن کو نہ چھوڑ | ہاں اسی حبلِ متیں کی طرف ادراک کو موڑ
دل تو دل ہے کسی پتھر کو بھی جھلا کے نہ توڑ | کہ یہ انداز ہے اللہ کی وحدت کا نچوڑ

گو قباحت ہے بڑی کافرِ یزداں ہونا
اس سے بدتر ہے مگر کافرِ انساں ہونا

پھر تو کھل جائیگی یہ بات کہ بے حُبِّ امام — نہ ولایت، نہ امامت، نہ رسالت، نہ پیام
(۳۵)
دل ہے بے سوز تو مہمل ہیں طواف و احرام — سب سے بہتر عملِ خیر ہے تیمارِ عوام

ان کو سرکارِ دو عالم کے پیام آتے ہیں
جو بُرے وقت میں انسان کے کام آتے ہیں

بات تو جب ہے کسی فرد سے وحشت نہ رہے — دوست تو دوست ہے دشمن سے بھی نفرت نہ رہے
(۳۶)
دل ہو یوں صاف کہ امکانِ کدورت نہ رہے — عقل کی ہے یہ نجابت کہ عداوت نہ رہے

شہرِ وحدت میں نبردِ حرم و دیر نہیں
صحتِ فکر اگر ہے تو کوئی غیر نہیں

اپنے یاروں کی محبت ہے مزاجِ انساں — آپ بھی اپنے رفیقوں پہ ہیں گوہر افشاں
(۳۷)
دل سے تھا شمر بھی اپنے رفقا پر قرباں — آپ اور شمر ہیں اس سطح پہ بالکل یکساں

ہاں جو دل میں چمنِ حبِّ عدو کھل جائے
آپ کو سطحِ حسینؑ ابن علیؑ مل جائے

کفر بھی ردِ محبت میں ہے عینِ اسلام — عنصرِ بغض ہو دل میں تو عبادت بھی حرام
(۳۸)
جو کسی قلب پہ جڑتا ہے نگینِ اکرام — کندہ ہوتا ہے درِ عرش پہ اس شخص کا نام

جب کوئی غیر کو پیغامِ اماں دیتا ہے
اُٹھ کے ہر ذرۂ آفاق اذاں دیتا ہے

کپکپاتی ہے جسے آہِ اسیرانِ بلا — جس کے سینے میں دھڑکتی ہے صدائے فقرا
(۳۹)
جس کے اعصاب کو ڈستا ہے رخِ زردِ گدا — جس کی شہ رگ میں کھٹکتی ہے نگاہِ غربا

تذکرے اس کے فرشتوں میں ہوا کرتے ہیں
انبیاء اس کی زیارت کی دعا کرتے ہیں

(۴۰)

تلخ کاموں کو پلاتا ہے جو آبِ شیریں — بخشتا ہے کسی مضطر کو جو کیفِ تمکیں

عمر بھر خدمتِ انساں سے جو تھکتا ہی نہیں — اس کی سرکار میں خود عرش جھکاتا ہے جبیں

اپنے زانو پہ جو دُکھیوں کو سُلا لیتا ہے

اس کو اللہ کلیجے سے لگا لیتا ہے

(۴۱)

جسکی ہر سانس ہو اک ولولۂ خیر انام — نیند جسکی ہو غریبوں کی محبت میں حرام

جادۂ خدمتِ انساں پہ جو ہو گرم خرام — اس الوُہی بشریت پہ درود اور سلام

حاملِ اوجِ اُلوُہیتِ انساں تھے حسینؑ

ہاں اسی جادۂ خدمت پہ خراماں تھے حسینؑ

(۴۲)

قافلے دھوپ میں جس وقت کہ چکراتے تھے — ہائے کیا دل تھا انھیں چھاؤں میں لے آتے تھے

داد احسان کی ملتی تھی تو شرماتے تھے — تشنہ لب دیکھ کے دشمن کو تڑپ جاتے تھے

دشتِ بے آب میں کوثر کی روانی تھے حسینؑ

کشتِ انساں پہ برستا ہوا پانی تھے حسینؑ

(۴۳)

چشمۂ بذل و سخا، دجلۂ جوُد و احساں — مصلحِ وضعِ جہاں، عزّتِ نوعِ انساں

لنگرِ کشتیِ حق، ناشرِ حکمِ یزداں — خادمِ خستہ دلاں، ہادمِ قصرِ سلطاں

خاورِ صدق و صفا، داورِ ایثار حسینؑ

کل جہاں قافلہ و قافلہ سالار حسینؑ

(۴۴)

چشمِ نم ناک میں تھا پر تو ردّے بے شیر — سانس لیتے تھے تو چبھتا تھا جگر میں اِک تیر

برقِ جوّالہ کی تھی موجِ ہوا میں تاثیر — اور اس نقطۂ حدّت پہ کھڑے تھے شبیرؑ

کہ جہاں دھوپ کچھ اس طور سے برآتی ہے

سینۂ برف سے بھی آنچ نکل آتی ہے

پھر بھی ماتھے کا پسینہ جو گرا دیتے تھے
چاندنی دھوپ کے آنگن میں کھلا دیتے تھے
(۴۵)
پل میں دہکے ہوئے سورج کو بجھا دیتے تھے
تو پہ رکھتے تھے قدم پھول بنا دیتے تھے

رُخ پہ اک آنچ سی جب پیاس میں لہراتی تھی
جھرجھری کوثر و تسنیم کو آ جاتی تھی

اتنی حدت میں بھی آہنگِ نیستاں تھے حسینؑ
کشتِ آئینِ رسالت کے نگہباں تھے حسینؑ
(۴۶)
آب و رنگِ چمن و ابرِ بہاراں تھے حسینؑ
فرق سے تا بہ قدم موسمِ باراں تھے حسینؑ

جھوم کر چرخ پہ قبلے سے گھٹا آتی تھی
بات کرتے تھے تو جنت کی ہوا آتی تھی

بزمِ اجمال میں تفسیرِ مفصل تھے حسینؑ
شاہدِ گل بدنِ حجلۂ مقتل تھے حسینؑ
(۴۷)
طاعتِ متصل و حمدِ مسلسل تھے حسینؑ
ہادیٔ پختہ و انسانِ مکمل تھے حسینؑ

سایۂ تیغ میں بھی درسِ وفا دیتے تھے
انتہا یہ ہے کہ قاتل کو دعا دیتے تھے

مصرِ مقتل میں جوابِ مہِ کنعاں تھے حسینؑ
صبحِ افسردگیٔ شامِ غریباں تھے حسینؑ
(۴۸)
طرفہ اک زمزمۂ نوحہ بداماں تھے حسینؑ
کوثرِ تشنہ دہاں، خندۂ گریاں تھے حسینؑ

دشتِ فریاد میں گل بانگِ ترنم تھے حسینؑ
لبِ آہ کے ہونٹوں کا تبسم تھے حسینؑ

نازشِ نوعِ بشر، فخرابِ وجد تھے حسینؑ
سجدہ کرتا تھا جدھر کعبہ وہ معبد تھے حسینؑ
(۴۹)
مفرد و مستند و اشرف و امجد تھے حسینؑ
نقطۂ پختگیٔ فکرِ محمدؐ تھے حسینؑ

یہ نہ ہوتے تو یقیں صیدِ گماں ہو جاتا
آخری شعلۂ پیغام دھواں ہو جاتا

(۵۰)

جگرِ ختمِ رسل، جانِ علیؑ، شمعِ بتولؑ — خاورِ جود و کرم، داورِ اقدار و اصول
موت کو گردِ قدم مل نہ سکی وہ مقتول — خاتمِ حق کے نگیں، دینِ شہادت کے رسول
مثلِ شبیرؑ جنہیں پاسِ وفا ہوتا ہے
ایسے بندوں ہی کے پردے میں خدا ہوتا ہے

(۵۱)

بہرِ شادابی و رنگینیِ گل زارِ امام — طاقِ جنت میں جلانے کو چراغِ اتمام
اس تمنا میں کہ ڈس لیں نہ یقیں کو اوہام — خیمۂ پاک سے جو وقت کہ نکلے تھے امام
میرِ آفاق بہ صد زینت و زین آئے ہیں
دُور تک شور بپا تھا کہ حسینؑ آتے ہیں

(۵۲)

آپ کیا آئے کہ پیغامِ بہاراں آیا — دشتِ پُرخار میں زہراؑ کا گلستاں آیا
مُردہ ذرّوں کی طرف چشمۂ حیواں آیا — افقِ مصر پہ گویا مہِ کنعاں آیا
سوئے میدان میں بہ صد شانِ تفاخر آئے
جن کی عادت ہے شہادت وہ بہادر آئے

(۵۳)

آپ کیا آئے کہ میدان بنا باغِ نعیم — آئی ہر سمت سے فردوس کے پھولوں کی شمیم
جھک گئے انفس و آفاق برائے تسلیم — اپنے سینے سے لگانے کو بڑھے ابراہیم
ہاتھ پھیلائے ہوئے بادِ بہاری آئی
جھوم اُٹھے خار کہ پھولوں کی سواری آئی

(۵۴)

بزمِ ارواح میں پہنچی جو حسینی آواز — تو زمیں پر اُتر آئے جو نبیؐ تھے ممتاز
مصطفیٰؐ جھک گئے سجدے میں بہ افراطِ گداز — فاطمہؑ نے یہ صدا دی کہ تری عمر دراز
ہل گیا عرشِ معلّیٰ وہ تلاطم آیا
لبِ قدرت پہ اک افسردہ تبسم آیا

(۵۵)

اللہ اللہ وہ میدان میں تقریرِ امام
نرم لہجے میں کھنکتے ہوئے فردوس کے جام
یوں مرتب تھا لبِ خشک پہ شاداب کلام
جادۂ حق پہ جس طرح نبوت کا خرام
بات میں لہر بہ ایں تشنہ لبی آتی تھی
بوئے انفاسِ رسولؐ عربی آتی تھی

(۵۶)

ذہن بہرے تھے خطابت نہ ہوئی بارآور
رس کی بوندوں کو بھلا جذب کرے کیا پتھر
طبل پر چوٹ پڑی دشت ہوا زیر و زبر
باندھ لی آلِ محمدؐ نے بھی مرنے پہ کمر
پھر تو اک برقِ تپاں جانبِ اشرار چلی
نہ چلی بات تو پھر دھوم سے تلوار چلی

(۵۷)

رن میں ہر چند کہ تھا دبدبۂ قیصر و جم
شکر و دمدمہ و طنطنہ و رعب و حشم
دشنہ و خنجر و تیر و تبر و تیغ و علم
لڑکھڑائے نہ محمدؐ کے نواسے کے قدم
سرِ اشرار سے میدانِ دغا پاٹ دیا
تیغِ بُرّاں کا رگِ جاں سے گلا کاٹ دیا

(۵۸)

یوں چلی کشتیِ قلزم شکن تشنہ لباں
تھم گیا شورِ ہوا، رک گئی نبضِ طوفاں
انکسارِ دلِ شبیرؑ نے زہ کی جو کماں
ہاتھ بھر منہ سے نکل آئی تکبر کی زباں
پشتۂ دجلۂ طغیانِ ستم ٹوٹ گیا
ناؤ ٹکرائی تو گرداب کا دم ٹوٹ گیا

(۵۹)

تاج نے آلِ محمدؐ پہ جو روکا پانی
پیاس کے ابر سے یوں ٹوٹ کے برسا پانی
بے دھڑک قصرِ حکومت میں در آیا پانی
ہو گیا سر سے شہنشاہ کے اونچا پانی
تاج داری مع اورنگِ نگیں ڈوب گئی
آسماں سے جو لڑی تھی وہ زمیں ڈوب گئی

(۶۰)

جوئے خوں میں جو دلیروں کے سفینے آئے — چند پیاسے جو لہو موت کا پینے آئے
مرد، جب سر سے کفن باندھ کے جینے آئے — شہریاری کو پسینے پہ پسینے آئے
نبضِ آقائی ابلیسِ ہوس چھوٹ گئی
فقر کی ضرب سے شاہی کی کمر ٹوٹ گئی

(۶۱)

وہ لبِ فسق پہ تبلیغِ نواہی نہ رہی — نشۂ کبر کی وہ مست جماہی نہ رہی
ذوقِ بیعت کی جلو میں وہ تباہی نہ رہی — تاؤ مونچھوں پہ جو دیتی تھی وہ شاہی نہ رہی
حشمِ قیصری و فرِ کیانی نہ رہا
پیاس کی دھوپ سے تلوار میں پانی نہ رہا

(۶۲)

اللہ اللہ جہاں کوب حسینی اصحاب — جن کے دریائے شجاعت میں دو عالم غرقاب
اکبرؑ و ابنِ مظاہر کا نہیں کوئی جواب — وہ لڑکپن کی جوانی یہ بڑھاپے کا شباب
دونوں جاں باز تھے دونوں ہی جری کیا کہنا
مشعلِ شام و چراغِ سحری کیا کہنا

(۶۳)

قطرۂ دل میں لئے ایک سمندر تھے حسینؑ — ذاتِ واحد میں سمیٹے ہوئے لشکر تھے حسینؑ
دینِ آدابِ رفاقت کے پیمبر تھے حسینؑ — جان دینے کو جب آئے تو بہتر تھے حسینؑ
سر فرشتوں کے یہاں آج بھی خم ہوتے ہیں
ایسے انسان رسولوں میں بھی کم ہوتے ہیں

(۶۴)

حیف جس قوم کا سلطان ہو ایسا انسان — وہ رہے خستہ، پریشان، معطل، حیران
نہ شرر بار ترنگیں، نہ دہکتے ارمان — جسکی آنکھیں فقط آباد ہوں سینے ویران
ہمت و جرأت و ایثار و وفا کچھ بھی نہیں
ذکرِ مولا پہ کراہوں کے سوا کچھ بھی نہیں

زندگی شعلۂ جوالہ ہے گلزار نہیں — موت کا گھاٹ ہے یہ مصر کا بازار نہیں
۶۵
اپنے آقا کی تاسی پہ جو طیار نہیں — زندہ رہنے کا وہ انسان سزاوار نہیں
جو حسینی بھی ہے اور موت سے بھی ڈرتا ہے
ہاں وہ توہینِ حسینؑ ابن علیؑ کرتا ہے

جہلا جب گُرِ علم کو ٹھکراتے ہیں — علماء دین کو جب بیچ کے کھا جاتے ہیں
۶۶
سفہا دولتِ فانی پہ جب اتراتے ہیں — جو حسینی ہیں وہ میداں میں نکل آتے ہیں
دھجیاں دامنِ دولت کی اُڑا دیتے ہیں
بادِ صرصر کو چراغوں پہ نچا دیتے ہیں

مرد وہ ہیں، یہ باطل جو کتر دیتے ہیں — حق جو مانگے تو دل و جان و جگر دیتے ہیں
۶۷
شیر سا بھائی تو یوسفؑ سا پسر دیتے ہیں — ہات بیعت کو بڑھاتے نہیں سر دیتے ہیں
آتشِ مرگ میں بے خوف و خطر جاتے ہیں
آنچ آتی ہے جو عزت پہ تو مر جاتے ہیں

سورما فتنۂ باطل کو دبا دیتے ہیں — خون دہکے ہوئے ذرّوں کو پلا دیتے ہیں
۶۸
اپنی گودوں کے چراغوں کو بجھا دیتے ہیں — اپنے چاندوں کو اندھیروں میں سلا دیتے ہیں
مثلِ شبیرؑ جو پیغامِ عمل دیتے ہیں
ایسے ہی لوگ زمانے کو بدل دیتے ہیں

میں یہ پوچھوں جو خفا ہوں نہ رفیقانِ کرام — کہ لرزتے تو نہیں آپ حضورِ حکام
۶۹
آپ سرکار میں جھکتے تو نہیں بہرِ سلام — آنکھ شاہوں سے ملاتے ہیں بانداز امام
رائے بکتی تو نہیں آپ کی بازاروں میں
آپ کا رنگ تو اڑتا نہیں درباروں میں

آپ باطل سے دبکتے ہیں تو یاران کرام
آپ کو نامِ حسینؑ ابن علیؑ سے کیا کام
جا بیٹھئے بیٹھئے خلوت میں علی الرغم امام
لوٹیے دولتِ لب ہائے بتانِ گل فام
(۷۰)

خود کو عشرے میں نہ مغموم بناتے پھریئے
اپنی غیرت کے جنازے کو اٹھائے پھریئے

آپ کا آلِ محمدؐ سے جدا ہے دستور
قابلِ غور نہیں مسئلہ شرح صدور
آپ کا شغل ہے کوئی تو فقط کشفِ قبور
آپ کو پیرویِ شیرِ خدا نامنظور
(۷۱)

آپ تو شمع رہ و رسم کے پروانے ہیں
دوش پر کعبہ ہے سینوں میں صنم خانے ہیں

قوم وہ قوم ہے جو عزم کی متوالی ہے
دین بے روح فقط دین کی نقالی ہے
دل ہے غافل تو عبادت بھی بداعمالی ہے
بے عمل قوم کی قرأت نہیں قوالی ہے
(۷۲)

موت کے وقت کی "یٰسین" بنا رکھا ہے
دین کو آپ نے اک بین بنا رکھا ہے

آپ ناواقفِ بیہودگیِ عشرہ و عید
آپ اک قفل ہیں اور قفل بھی گم کردہ کلید
دل ہیں خاشاکِ خزف، دیدۂ تر مروارید
دعویِ حُبِ حسینؑ اور ہوسِ قربِ یزید
(۷۳)

سوز خواں کے ہیں طلبگار رجز خواں کے نہیں
آپ مجلس کے مسلماں ہیں میداں کے نہیں

ایک دھوکا ہے لگاوٹ میں اگر لاگ نہیں
تو نکل آئے نہ جس راگ سے وہ راگ نہیں
قلزمِ برق کا اشکوں میں ذرا جھاگ نہیں
حیف پانی تو ہے موجود مگر آگ نہیں
(۷۴)

چٹکیاں لے نہ لہو میں تو جوانی کیا ہے
آگ کی جس میں نہ ہلچل ہو وہ پانی کیا ہے

کربلا اب بھی ہے اک ہوش ربا نگارا — اپنے پانی میں لئے آگ کا جولاں آرا
(۷۵)
برق و آتش کا اُبلتا ہوا اک فوارا — ایک مڑتا ہوا خونِ شہداء کا دھارا

رنگ اُڑتا نظر آتا ہے جہاں داروں کا
مینھ برستا ہے یہاں آج بھی تلواروں کا

کربلا آج بھی ہے ایک لگاتار پُکار — ہے کوئی پیرویِ ابنِ علیؑ پر طیّار
(۷۶)
عصرِ حاضر میں یزیدوں کا نہیں کوئی شمار — تم مُصلّوں پہ دو زانو ہو، مُسلّح اشرار

شورِ ماتم میں کہیں تیغ کی جھنکار نہیں
لب پہ نالے ہیں مگر ہاتھ میں تلوار نہیں

کربلا میں ہے وہی شعلہ فشانی ابتک — آگ کی موج ہے تلوار کا پانی ابتک
(۷۷)
تشنگی میں ہے وہی دجلہ چکانی ابتک — منچلوں کی ہے وہی زمزمہ خوانی ابتک

روٹھے ماحول پہ بانکوں کی وہ دھج ہے اب بھی
میرے سوئے ہوئے شیروں کی گرج ہے اب بھی

کربلا میں اثرِ باغِ جناں آج بھی ہے — بوئے انفاسِ مسیحا نفساں آج بھی ہے
(۷۸)
حسنِ رنگینیٔ خونیں کفناں آج بھی ہے — صبحِ عاشور کی گل بانگِ اذاں آج بھی ہے

اِک پُر اسرار خموشی ہے پَرافشاں ابتک
صبح کے دوش پہ ہے شامِ غریباں ابتک

اب بھی گو دھوپ کی شدت سے زمیں تپتی ہے — سوزنِ خاک شراروں کی ردا بنتی ہے
(۷۹)
پھر بھی ذرّوں سے ہوا لعل و گہر چنتی ہے — زندگی سیرتِ شبیرؑ پہ سر دھنتی ہے

رنگِ رخسارۂ تاریخ نکھر جاتا ہے
لب پہ جب نامِ حسینؑ ابنِ علیؑ آتا ہے

(۸۰)

کربلا اب بھی سرِ وقت پہ لہراتی ہے
زلف کی طرح خیالات پہ بل کھاتی ہے

خامشی رات کو جس وقت کہ چھا جاتی ہے
دلِ زینبؑ کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے

کبھی ظلمت میں جو کوندا سا لپک جاتا ہے
ایک قرآن بلندی پہ نظر آتا ہے

(۸۱)

اب بھی اک سمت سے اٹھتا نظر آتا ہے دھواں
بیبیاں چند کھلے سر نظر آتی ہیں یہاں

ایک گوشے میں ہے گونجی ہوئی آوازِ اذاں
اک پھریرا ہے سیہ پوش فضا پر غلطاں

چند سائے نظر آتے ہیں خراماں اب بھی
ایک زنجیر کی جھنکار ہے لرزاں اب بھی

(۸۲)

کربلا کے رخِ رنگیں پہ دمک آج بھی ہے
اسکے ذرے کے ہوئے شیشوں میں کھنک آج بھی ہے

کل کی برسی ہوئی بدلی کی دھنک آج بھی ہے
ایک نوشاہ کے سہرے کی مہک آج بھی ہے

کچھ گریباں نظر آتے ہیں فضا پر اب بھی
ایک جھولا متحرک ہے ہوا پر اب بھی

(۸۳)

کربلا سر سے کفن باندھ کے جب آتی ہے
وسعتِ ارض و سماوات پہ چھا جاتی ہے

تُندانفاس سے فولاد کو برماتی ہے
تبر و تیر کو خاطر میں نہیں لاتی ہے

چڑھ کے نیزے پہ دو عالم کو ہلا دیتی ہے
کربلا موت کو دیوانہ بنا دیتی ہے

(۸۴)

کربلا اب بھی حکومت کو نگل سکتی ہے
کربلا تخت کو تلووں سے مسل سکتی ہے

کربلا، خار تو کیا، آگ پہ چل سکتی ہے
کربلا وقت کے دھارے کو بدل سکتی ہے

کربلا قلعۂ فولاد ہے جراروں کا
کربلا نام ہے چلتی ہوئی تلواروں کا

کربلا ایک تزلزل ہے محیطِ دوراں — ٨٥ — کربلا خرمنِ سرمایہ پہ ہے برقِ تپاں
کربلا جہل پہ ہے ضربتِ آوازِ اذاں — کربلا جراتِ انکار ہے پیشِ سلطاں

فکرِ حق سوز یہاں کاشت نہیں کر سکتی
کربلا تاج کو برداشت نہیں کر سکتی

جب تک اس خاک پہ باقی ہے وجودِ اشرار — ٨٦ — دوشِ انساں پہ ہے جب تک حشم تخت کا بار
جب تک اقدار سے اغراض ہیں گرمِ پیکار — کربلا ہاتھ سے پھینکے گی نہ ہرگز تلوار

کوئی کہہ دے یہ حکومت کے نگہبانوں سے
کربلا اک ابدی جنگ ہے سلطانوں سے

کہہ رہا ہے یہ ارے کون بہ اندازِ سروش — ٨٧ — کہ بس امروز ہے امروز نہ فردا ہے نہ دوش
کس کی یارب یہ صدا ہے کہ فضا ہے خاموش — میں حسین ابنِ علیؑ بول رہا ہوں اے جوش

بخش دے آگ مرے سرد عزاداروں کو
ہاں جگا ڈاب میں سوئی ہوئی تلواروں کو

کربلا بہرِ عمل نعرہ زناں ہے اب تک — ٨٨ — کربلا گوش بر آوازِ یلاں ہے اب تک
کربلا منتظرِ صف شکناں ہے اب تک — کربلا جانبِ انساں نگراں ہے اب تک

دادِ غم ایک بھی جاں باز نہیں دیتا ہے
کوئی آواز پہ آواز نہیں دیتا ہے

مرثیہ ۷

زندگی و موت

"محمدؐ و آلِ محمدؐ کی نظر میں"

ہاں آنا ہے وہ دبیرِ نفس و دارائے حیات

بند، ۸۶

تصنیف ـــــــ ۱۹۶۵ء

کیا خوب ، تمنّائے شہادت نہ ملے
جنسِ عمل و متاعِ جرائت نہ ملے
آنکھوں کو رطوبت تو ملے آنسو کی
سینے کو ، حسینؑ کی حرارت نہ ملے

(۱)

ہاں اَنا ہے وہ دبیرِ نفس و دارائے حیات — شور جس کا گرم دن، گل بانگ جس کی سرد رات

جس پہ مبنی جذبۂ حفظِ حیات و حُبِّ ذات — کیا زمیں، کیا آسماں جس کی جلو میں کائنات

کج، اسی کے بانکپن سے ہے، کلاہِ زندگی

یہ، رسولِ ذہنِ انساں ہے، اِلٰہِ زندگی

(۲)

یہ اَنا ہے وہ قدم، جو ڈگمگا سکتا نہیں — جس میں اشنا کے ہاتھوں جھول آ سکتا نہیں

یہ کسی طوفان کو خطرہ میں لا سکتا نہیں — یہ چراغِ داوری ہے جھلملا سکتا نہیں

یہ دلوں کی آبرو، یہ ولولوں کی جان ہے

رحلِ نفسِ آدمی پہ، یہ اَنا قرآن ہے

(۳)

آدمی ہو اور اپنی ذات پہ چیں بر جبیں — زندگی، اور اپنی ہیئت پہ، اُلٹے آستیں!

یہ تو ممکن ہے کہ انساں توڑ دے حبلِ متیں — حشر تک، لیکن، اَنا سے ہاتھ اٹھا سکتا نہیں

یہ اَنا ہی تو، محافظ ہے، بشر کی جان کا

یہ نہ ہو تو، دم نکل جائے، غریب انسان کا

(۴)

خدمتِ احباب و ملک و دودمان و اَقربا — جُود و خلق و رحم و عشق و نفرت و بیم و رجا

شفقت و قربانی و اخلاص و ایثار و سخا — حُبِّ دنیا حُبِّ عقبیٰ حُبِّ حق حُبِّ خدا

جزر و مد یہ سب کے سب ہیں جوئے احساسات کے

کتنے لاتعداد رخ ہیں ایک حبِّ ذات کے

ثبت ہر انسان کے دل پر ہے یہ مہرِ خیال (۵) میں ہوں صدرِ علم و بدرِ عقل و سلطانِ جمال
معتبر ہے صرف میرا فعل میرا انفعال — مجھ سے بڑھ جائے یہ کس میں تاب یہ کس کی مجال

ذات میری افتخارِ مہر و نازِ ماہ ہے
مجھ سے برتر ہے کوئی تو کون؟ خیر اللہ ہے

قابلِ برداشت، جب بنتا نہیں دردِ حیات (۶) ڈھونڈتی ہے تلملاہٹ، زہر میں، راہِ نجات
اس عمل سے، عقلِ انسانی میں آتی ہے یہ بات — ارتکابِ خودکشی تک ہے، جنونِ حُبِّ ذات

آدمی جیتا ہے، ساز و برگِ عشرت کیلئے
اور مرتا بھی ہے تو دفعِ اذیّت کے لئے

شادماں ہوتا ہے تو اپنی خوشی کے واسطے (۷) نقدِ جاں کھوتا ہے تو اپنی خوشی کے واسطے
کاٹتا بوتا ہے تو اپنی خوشی کے واسطے — جاگتا، سوتا ہے، تو اپنی خوشی کے واسطے

کام رکھتا ہے فقط اپنے ہی مرغوبات سے
کس قدر، انسان کو ہے عشق اپنی ذات سے

سوچتا ہے آدمی، ارض و سما کچھ بھی نہیں (۸) زیرِ محرابِ فلک، میرے سوا کچھ بھی نہیں
مجھ سے کٹ جائیں اگر، تو انبیا کچھ بھی نہیں — رشتہ، مجھ سے توڑ ڈالے، تو خدا کچھ بھی نہیں

جملہ انساں ہیچ ہیں، محبوبِ آب و گل ہوں میں
سب ہیں اعضا، سینۂ فرشِ زمیں کا دل ہوں میں

میں، جمالِ وادیٔ ایمن، غزالِ کوہِ قاف (۹) قلب میرا، قدسیوں کی بارگاہِ اعتکاف
انفس و آفاق میرے گرد، سرگرمِ طواف — نامۂ اعمال میرا، عین کعبے کا غلاف

خلقِ پیر، مجھ سا، ادا سنجِ قضا کوئی نہیں
اس کُرے پہ، صرف میں ہوں، دوسرا کوئی نہیں

(۱۰)

میں، دلِ عرشِ بریں ہوں، دیدۂ فرشِ زمیں — ہاں مری تخئیل کے باہر، نہ دنیا ہے، نہ دیں
مجھ کو، اس آئینہ خانے میں، بہ ربِّ عالمیں — اپنے چہرے کے سوا، کچھ بھی نظر آتا نہیں
میں حقائق کی زباں ہوں، داستاں ہے کائنات
کارواں میں ہوں، غبارِ کارواں ہے کائنات

(۱۱)

یہ عجب دُھن ہے کہ ہر فردِ بشر کے روبرو — صرف اپنا مُدّعا ہے، صرف اپنی آرزو
صرف اپنا کرّ و فر ہے صرف اپنی آبرو — صرف اپنا ذکر اپنی فکر اپنی گفتگو
کان دھرتا ہی نہیں کوئی کسی کی بات پر
کس قدر لہلوٹ ہے انسان اپنی ذات پر

(۱۲)

نیلم و یاقوت و مروارید و الماس و نگیں — لالہ و شمشاد و نسرین و چنار و یاسمیں
سبحہ و زنّار و خیطِ ابیض و حبلِ متیں — سب ہیں مہمل جب گلے میں سانس کا ڈورا نہیں
صرف میرا اک کھلونا ہے جہاں کچھ بھی نہیں
میں نہیں تو یہ زمیں، یہ آسماں کچھ بھی نہیں

(۱۳)

خواہ کتنی برہمی ہو، خواہ کتنی ابتری — خواہ کتنا ہی جھنجھوڑیں، گردشیں افلاک کی
خواہ کتنی ہی بلاؤں میں گھری ہو زندگی — پھر بھی، جینے کی دعائیں مانگتا ہے آدمی
تھرتھراتا، تلملاتا، بلبلاتا ہے بشر
زندگی کو پھر بھی سینے سے لگاتا ہے بشر

(۱۴)

نغمہ بر لب، جام بر کف، گُل بداماں زندگی — قوسِ طرفِ کوہ و محرابِ گُلستاں زندگی
جوئے رنگ و چشمۂ آبِ چراغاں زندگی — موجِ رقص و دجلۂ آہنگ و الحان زندگی
موجِ سوزِ دل ہے، اس کے شعلۂ آواز میں
حرفِ "کن" کے، نرم ہلکورے ہیں باجے ساز میں

۱۵

زندگی، ربطِ نہانِ انتشار و انجماد — اتحادِ برف و اخگر، ارتباطِ حبس و باد
انضمامِ خشک و تر، آمیزشِ بست و کشاد — بادہ طبع و بادا صل و برقِ نسل و بحر زاد

سینۂ شمشیر میں، حُبِّ گلو ہے زندگی
چاک کے ہاتھوں میں، تسبیحِ رفو ہے زندگی

۱۶

زندگی، وحشی عناصر کا، مہذب شاہکار — ربطِ صبح و شام، ضبطِ ریگ زار و جوئے بار
اعتدالِ آب و آتش، امتزاجِ نور و نار — خرمن و برقِ تپاں کا نقطۂ بوس و کنار

ایک تکوینی ضمانت، امتناعِ جنگ کی
ایک تعمیری ہم آغوشی، بلور و سنگ کی

۱۷

زندگی، اضداد کا پیمانِ لطف و اتفاق — اک ہم آہنگی میانِ جذبۂ وصل و فراق
اک اٹل میثاق، مابینِ جمود و انشقاق — خیر و شر کا صلح نامہ، شمع و صرصر کا وفاق

شبنم و خورشید کا عہدِ وفا ہے زندگی
دیکھیے تو بت، پرکھیے تو خدا ہے زندگی

۱۸

دن ترنگیں بخشتا ہے رات خواب شکریں — صبح چھٹکاتی ہے کرنیں شام زلفِ عنبریں
نبض چٹکاتی ہے تن میں غنچہائے نازنیں — سانس چُنتی ہے قبائے آرزو کی آستیں

ایک نعمت ہے چہکتی چہچہاتی زندگی
پھولتی پھلتی پھبکتی لہلہاتی زندگی

۱۹

قعر سے تا سطحِ قلزم پر فشاں ہے زندگی — خار میں حرفِ خشکی گل میں اذاں ہے زندگی
برگ پر شبنم فضا پر کہکشاں ہے زندگی — داستاں در داستاں در داستاں ہے زندگی

فرش سے تا عرش زلفِ ناز بکھرائے ہوئے
فتحِ جہاد و ثوابت کی قسم کھائے ہوئے

۲۰

زندگی، بانسری، سارنگ، دیپک، جوہنی — بت تراشی، رقص، موسیقی، خطابت، شاعری
پنکھڑی، تتلی، صنوبر، دوب، نسریں، چاندنی — لاجوردی، شربتی، دھانی، گلابی، چمپئی

زعفرانی، آسمانی، ارغوانی زندگی
لاجونتی، مدھ بھری، کومل، سہانی زندگی

۲۱

سحر خو، عیسیٰ نفس، اعجاز، جادو کلام — بادہ رنگ و مہوش و دستاں سرائے کوثر خرام
شیشہ بزم و سنگ [illegible] و لالہ سقف و ماہ بام — قند حرف و گل مزاج و سرو قامت و مے قوام

زندگی، سعیِ بلیغِ ارتقاء کا ناز ہے
آب و آتش کی کرامت، خاک کا اعجاز ہے

۲۲

زندگی باد و شمیم و سبزہ زار و نسترن — اک جادو، اک گھلاوٹ، اک لگاوٹ، اک چبھن
رقصِ طاؤس و [illegible] و رنگِ [illegible] — گل نفس، گل چہرہ، گل خو، گل جبیں، گل پیرہن

رقصِ ابر و نغمۂ آبِ رواں ہے زندگی
خاکِ بے آواز کے منہ میں زباں ہے زندگی

۲۳

نغمۂ اسرار کو، صدا کی گود میں پالے ہوئے — نطق سے، حسنِ تکلم کی بلائیں لے ہوئے
مضطرب حس کو الفاظ میں ڈھالے ہوئے — رشتۂ بادِ پریشاں میں، گرہ ڈالے ہوئے

لعل جوہر آفرین و کلکِ گوہر بار ہے
زندگی، طنبورۂ افکار کی جھنکار ہے

۲۴

ہر نفس، موتی پروتی، پھول برساتی ہوئی — خیمۂ زربفت میں، پازیب جھنکاتی ہوئی
سسکیاں لیتی، ٹھمکتی، ناچتی، گاتی ہوئی — دوڑتی، بڑھتی، بہکتی، جھومتی، چھاتی ہوئی

اک سنہری تان کی زنجیر، بل کھاتی ہوئی
ایک انگڑائی، دھنک کے بل پہ لہراتی ہوئی

(۲۵)

سر پہ سہرا، بر میں جوڑا، بات میں قند و نبات ۔۔۔ چال میں گنگا کی لہریں، زلف میں برکھا کی رات

سانس میں بوئے سمن، لہجے میں عودِ سومنات ۔۔۔ زندگی، رنگوں کے سائے سے گزرتی اک برات

انکھڑیوں میں رت جگوں کی راگنی گھولے ہوئے

بال بکھرائے ہوئے بندِ قبا کھولے ہوئے

(۲۶)

زندگی یوسف زلیخا قیس و لیلیٰ نل دمن ۔۔۔ عید کا دن چودھویں کی رات چوتھی کی دلہن

اک کھنکتی لب کشائی ایک چبھتا بانکپن ۔۔۔ رنگ ساگر، راگ مندر، روپ مالا، پھول بن

جس کی قرنوں حجلۂ قدرت میں رکھوالی ہوئی

بدلیوں کی رسماتی چھاؤں کی پالی ہوئی

(۲۷)

زندگی، مڑتے ہوئے پتوں پہ بوندوں کی کھنک ۔۔۔ صبح سرما کی کرن، شام بہاراں کی دھنک

بول، تتلی کی اڑان، آواز، کوندے کی لپک ۔۔۔ کوکتی برکھا میں، سارنگی کے تاروں کی لچک

شہرِ تن میں، پھول والوں کی گلی ہے زندگی

گردنِ آفاق میں، چمپا کلی ہے زندگی

(۲۸)

زندگی، فرماں روائے کشورِ دنیا و دیں ۔۔۔ موجدِ حرفِ خدا و رحمت اللعالمین

نوعِ انساں کیلئے، اے محرمانِ دوربین ۔۔۔ موت سے بڑھ کر، کوئی شے قابلِ نفرت نہیں

زندگی تکریم ہے، توقیر ہے، تمکین ہے

موت، شاہِ ارض کی، سب سے بڑی توہین ہے

(۲۹)

موت، اندھیاری، گھٹا ٹوپ، آبنوسی، تیرہ فام ۔۔۔ بے رکوع و بے سجود و بے قعود و بے قیام

مضمحل، سُن، منجمد، یخ بستہ، شل، افسردہ، خام ۔۔۔ بے حرارت، بے حکایت، بے بصارت بے خرام

اس کے پتھریلے کلیجے میں کسک ہوتی نہیں

اس کے دیدوں میں مروت کی چمک ہوتی نہیں

(۳۰)

موت، صحرا، دشت، ریگستان، بن، بیہڑ، سراب
بیخودی، وحشت، شقاوت، قاہری، دہشت، عذاب

خوف از خود رفتگی، بیگانگی، غیبت، حجاب
ایک حسرت خیز غفلت، ایک عبرتناک خواب

ایک ڈائن، زندگی کی سمت منھ کھولے ہوئے
آستیں الٹے ہوئے، تیغِ دو دم تولے ہوئے

(۳۱)

موت، خاموشی، اداسی، بے نوائی، بے حسی
موت، سناٹا، اندھیرا، بے شعوری، بے بسی

موت، تاریکی، تباہی، تیرگی، ترسندگی
موت، آہوں کی خطابت، آنسوؤں کی شاعری

شیر افگن بازوؤں کو بے سکت کرتی ہے موت
ماتمی ہاتوں کی ضربت پر نرت کرتی ہے موت

(۳۲)

نامِ زشتِ موت سے، اٹھتا ہے سینوں سے دھواں
فرقِ ہستی پر کڑک اٹھتی ہے، دہشت کی کماں

دل پہ رکھ دیتا ہے خوفِ مرگ وہ بارِ گراں
بولنے لگتی ہیں، سہمی زندگی کی ہڈیاں

کوئی نرم آواز کوئی داستاں بھاتی نہیں
موت یاد آجائے تو راتوں کو نیند آتی نہیں

(۳۳)

ہادمِ قصرِ ادا و عشوہ و افسوں گری
ناظمِ تابوت و گور و تختہ و پژمردگی

جاذبِ آواز و احساس و حواس و زیرکی
سالبِ افعال و افکار و امید و آگہی

حجرۂ سربند میں اس کے ہوا آتی نہیں
اس کی رو میں، دل دھڑکنے کی صدا آتی نہیں

(۳۴)

یہ سیہ رو، آن میں، دن کو بنا دیتی ہے رات
اسکے اک جھونکے سے بجھ جاتی ہے قندیلِ حیات

آہ، اسکا شامیانہ سسکیاں اسکی قنات
اس کی، نا ہموار کاندھوں پر نکلتی ہے برات

مسکرا کر، آنسوؤں کے تار پر گاتی ہے موت
ہچکیوں کی گونج میں، پازیب جھنکاتی ہے موت

کتنی تمکنوں میں بھرتی ہے یہ کرب ارتعاش (۳۵) سونپتی رہتی ہے یہ، کتنے کلیجوں کو خراش
روز، آئینے کیا کرتی ہے کتنے پاش پاش کتنے بوڑھوں سے جواں بیٹوں کی اٹھواتی ہے لاش

کیا بتائیں، روز کتنے پھول مرجھاتی ہے موت
ماؤں سے، کتنے چہیتے چھین لے جاتی ہے موت

موت، کیڑوں کی غذائے خستہ، قبروں کا فشار (۳۶) استخواں سوز و نفس گیر و توانائی شکار
جاں فگار و نطق دز د و روح کوب و جسم خوار اسکی شامیں، نالۂ جاں کاہ، صبحیں سوگوار

اسکے دامِ سخت میں آکر، اکڑ جاتے ہیں لوگ
دفن، جلدی سے نہ ہو جائیں تو سڑ جاتے ہیں لوگ

سر جھکا کر، پاؤں جس حجلے میں رکھتی ہے دلہن (۳۷) جس جگہ، مانجھے کے ابٹن سے، چہکتے ہیں بدن
عود کی لپٹوں میں کھلتے ہیں جہاں لاکھوں چمن موت، ان گوشوں میں بھی لاتی ہے کافور و کفن

روز، کتنی چوڑیوں کو چٹخا دیتی ہے موت
کتنی امیدوں کے خیموں کو جلا دیتی ہے موت

نو عروسوں کے شبستانوں میں در آتی ہے موت (۳۸) شربتی آنکھوں کو، اندھی گو جھنکواتی ہے موت
گھونگٹوں کے ادھ کھلے مکھڑوں کو جھلساتی ہے موت چودھویں راتوں کے چاندوں کو نگل جاتی ہے موت

ہر نفس، ہر آن پیغامِ اجل دیتی ہے موت
پھول سے پنڈوں کو لاشوں سے بدل دیتی ہے موت

پتھروں پر، کس قدر شیشے، گرا دیتی ہے موت (۳۹) کنجِ شب میں، کتنی صبحوں کو سلا دیتی ہے موت
کتنی کوکھوں، کتنی گودوں کو جلا دیتی ہے موت کتنے سہروں، کتنی سیجوں کو دغا دیتی ہے موت

کتنی چاہوں کس قدر باہوں کو مرجھاتی ہے موت
کتنی دلھنی کروٹوں پر رقص فرماتی ہے موت

(۴۰)

لیکن اسکے باوجود اے محرمانِ این و آں — سخت حیراں ہوں کہ تھا وہ کون دانائے زماں

موت کو جس نے دیا نامِ حیاتِ جاوداں — اس قدر پر ہول بیہڑ کو بنایا گلستاں

زہر کو کس نے حریفِ آبِ حیواں کر دیا

اس اُنی تلوار کو کس نے رگِ جاں کر دیا

(۴۱)

نوعِ انساں کو دیا کس فلسفی نے یہ پیام — مردِ غازی کا کفن ہے، خلعتِ عمرِ دوام

نصب کس نے کر دیے مقتل میں جو روح خیام — جانتے ہو اس دبیر ذہنِ انسانی کا نام

جو انوکھی فکر تھا، جو اک نیا پیغام تھا

اس حکیم نکتہ پرور کا محمدؐ نام تھا

(۴۲)

اے محمدؐ، اے سوارِ توسنِ وقتِ رواں — اے محمدؐ، اے طبیبِ فطرت و نبضِ جہاں

اے محمدؐ، اے فقیہِ نفس و نقادِ جہاں — موت کو، تو نے وہ بخشی آب و تابِ جاوداں

زندگانی کے پجاری موت پر مرنے لگے

لوگ پیغامِ اجل کی آرزو کرنے لگے

(۴۳)

زیست کا عکسِ شہادت سے نکھرتا ہے جمال — موت کے گھونگھٹ میں ہے روئے تابانِ لازوال

خوں کے طاقوں میں ہے قندیل وجہ ذوالجلال — ذہنِ انسانی کو بخشا صرف تو نے یہ خیال

اہرمن پر دہشتِ یزداں کو طاری کر دیا

ایک اک انساں کو لاکھوں پہ بھاری کر دیا

(۴۴)

حق کو، تو نے، تمنائے شہادت بخش دی — اس تمنائے شہادت نے شجاعت بخش دی

پھر شجاعت نے چھپکنے کی حرارت بخش دی — اس حرارت نے گداؤں کو حکومت بخش دی

اس قدر عجلت سے تو روئے زمیں پر چھا گیا

مُدعی چکرا گئے تاریخ کو غش آ گیا

(۴۵)

پھول کر، گہوارۂ غم میں، بھبکتا ہے مردر
شامِ رنگین لحد ہے صبحِ قرآن و زبور
تیرگی کی سرمئی محراب میں ہے، شمعِ طہور
موت ہے نورو، قصور و حور و انگور طہور

یہ عقائد ہوں تو پھر مرنے سے ڈر سکتا ہے کون
موت کے شیدائیوں کو زیر کر سکتا ہے کون

(۴۶)

سب سے پہلے دہر کو تو نے ہی سمجھائی یہ بات
سرفروشی ہے متاعِ زندگانی کی زکوٰۃ
طاقِ ایوانِ شہادت میں ہے قندیلِ حیات
موجِ کوثر کی سخا کا پیک ہے نخلِ فرات

عرش اترآتا ہے فرشِ گرمِ گیر و دار پر
رقص کرتی ہے دوامی زندگی تلوار پر

(۴۷)

آتشِ سوزاں کو تو نے آبِ زمزم کردیا
خاک کو نسریں بنایا جام کو جم کر دیا
وحشیوں کو حاملِ تہذیبِ محکم کر دیا
سرخ شعلوں کو نچوڑا موجۂ یم کردیا

کشتیاں چلوائیں طوفان سے ترے فرمان نے
موت بوئی زندگی کاٹی ترے قرآن نے

(۴۸)

موت کی ظلمت میں تو نے جگمگا دی زندگی
شمع کے مانند قبروں میں جلا دی زندگی
جوہرِ شمشیرِ عریاں میں دکھا دی زندگی
سرزمینِ مرگ میں تو نے اُگا دی زندگی

حبس ٹوٹا باغِ جنت کی ہوا آنے لگی
مقبروں سے دل دھڑکنے کی صدا آنے لگی

(۴۹)

خاک کے ذرات کو تو نے ثریا کر دیا
موت سی کالی بلا کو رشکِ سلمیٰ کر دیا
آگ کو پانی کیا پانی کو صہبا کر دیا
آخری ہچکی کو گلبانگِ مسیحا کردیا

سر سے خوفِ نیستی کی یوں بلائیں ٹال دیں
آدمی نے موت کی گردن میں باہیں ڈال دیں

(۵۰)

یہ تصورِ موت کا جیسے ہی سوئے کربلا — وقت دوں پرور کے تاریخی تقاضے سے مڑا

خون میں تیرے گھرانے کے تلاطم آگیا — لشکرِ صبحِ فروزاں شام کی جانب چلا

دفعتاً قصرِ جفا مسمار ہو کر رہ گیا

رعبِ شاہی نقش بر دیوار ہو کر رہ گیا

(۵۱)

اے محمدؐ، موت وہ تیرے نواسے کو ملی — آج تک جس سے درخشاں ہے ضمیر آدمی

اللہ اللہ روشنی تیرے چراغِ ذہن کی — کربلا کی دھوپ پہ چھٹکی ہے اب تک چاندنی

یہ اَنی پر سر نہیں تیرے اَنا کا تاج ہے

کربلا تیرے نظامِ فکر کی معراج ہے

(۵۲)

آشنا بحرِ صداقت کا حسینؑ ابنِ علیؑ — مدرسہ درسِ شہادت کا حسینؑ ابنِ علیؑ

معجزہ فکری نجابت کا حسینؑ ابنِ علیؑ — حوصلہ تیری نبوت کا حسینؑ ابنِ علیؑ

جس نے بجھنے دی نہ شمعِ آدمیت وہ حسینؑ

سانس جس کے دم سے لیتی ہے مشیت وہ حسینؑ

(۵۳)

اخذ کرتا ہے جو غم سے شادمانی وہ حسینؑ — جس کی اب تک ہے دلوں پر حکمرانی وہ حسینؑ

موت تھی جس کی نگاہوں میں سہانی وہ حسینؑ — تشنگی سے پی تھی جس نے زندگانی وہ حسینؑ

سرخ انگاروں کو جس نے خاک کر کے رکھ دیا

جس نے دامانِ حکومت چاک کر کے رکھ دیا

(۵۴)

طرۂ طرفِ کلاہِ عزم و ہمت ہے حسینؑ — سورۂ اخلاص و قرآنِ صداقت ہے حسینؑ

منبرِ تصدیق و تکمیلِ رسالت ہے حسینؑ — پشتِ ذوقِ مرگ پر مہرِ نبوت ہے حسینؑ

اے مرے پروردگارِ آدمیت السّلام

السّلام اے داورِ یومِ شہادت السّلام

(۵۵)

حسن برستا ہے شہادت کا تیرے کردار سے
فکر میں صحت ہے تیرے عابدِ بیمار سے

ہاں وہ جنت سیر ہے جو سبزہ وانہار ہے
مانگتی ہے بھیک تیرے سایۂ دیوار سے

اے خطیبِ اوجِ فاراں کے نواسے السلام
اے مرے تسنیم دردآغوش پیاسے السلام

(۵۶)

موت کو تونے بہارِ کامرانی بخش دی
خاک کو اکسیر پیری کو جوانی بخش دی

ہمتِ انساں کو دجلے کی روانی بخش دی
برف کو نو، ادس کو آتشِ فشانی بخش دی

التہابِ تشنگی کو موجِ زم زم کر دیا
آنچ کو ایسا بنا دامانِ مریمؑ کر دیا

(۵۷)

امتزاجِ شادی و شیون ہے تیری داستاں
جسم پہ خونی کفن ہے فتح کا سر پہ نشان

اک طرف تیرا گلا ہے اور خنجر بے اماں
اک طرف تیری رگِ جاں خنجروں پہ ہے رواں

اک طرف موجِ ترحم اک طرف ماتم ہے تو
اک نرالا نغمہ و فریاد کا سنگم ہے تو

(۵۸)

تونے خود بجھ کر جلائے ہیں جو ذہنوں میں چراغ
دل ہے غرقِ آہ و شیون شاد و نازاں ہے دماغ

اس طرف جھلسے ہوئے خیمے اُدھر شاداب باغ
اک طرف نصرت کے موتی اک طرف سینوں کے داغ

اک نرالا ربطِ گل بانگ و فغاں ہے اے حسینؑ
جھٹپٹے میں اک دھندلکا پرفشاں ہے اے حسینؑ

(۵۹)

دل میں تیری یاد ہے شام و سحر کے درمیاں
زمزموں کے ہیں سفینے ہچکیوں کے درمیاں

لب پہ نغموں کی دمک ہے آنکھ سے آنسو رواں
فصلِ گل کی دھوپ ہے پڑتی ہیں جیسے بوندیاں

تجھ پہ بے روئے نہیں اٹھتے کسی محفل سے ہم
کیا کریں مجبور ہو جاتے ہیں اپنے دل سے ہم

ہم سے یہ کہتی ہے تیری کامرانی اے حسینؑ
کامرانی ہے محلِ شادمانی اے حسینؑ

(٦٠)

شادمانی ہے متاعِ زندگانی اے حسینؑ
آنسوؤں کی پھر بھی ہوتی ہے روانی اے حسینؑ

زمزموں کو چشمِ گریاں میں ڈبو دیتا ہے دل
جب ہنسی ہونٹوں پہ آتی ہے تو رو دیتا ہے دل

دار و گیرِ کربلا پر اے شہیدِ محترم
عقل نازاں ہے مگر جذبات کی آنکھیں ہیں نم

(٦١)

چونکہ تیرے جذبۂ نصرت میں ہے آہنگِ غم
اس لئے آنسو چڑھاتے ہیں تیری باہیں پہ ہم

دل کا یہ فرمان ہے لغزش نہ آئے پاؤں میں
جشنِ فتحِ کربلا ہو آنسوؤں کی چھاؤں میں

لیکن آنسو وہ جو برسائیں شرارِ زندگی
جس سے ٹپکے گوہرِ عزّ و وقارِ زندگی

(٦٢)

جس کے قبضہ میں ہو تیغِ آبدارِ زندگی
جس کی رنگینی میں کروٹ لے بہارِ زندگی

جو گریں شادابیٔ اہلِ جہاں کے واسطے
گُھن جو بن جائیں غرورِ خسروی کے واسطے

ہاں وہ آنسو جن میں غلطاں ہو خروشِ خوفِ حق
جن کے گرنے کی صدا میں ہو شہادت کا سبق

(٦٣)

جن کے آگے رنگ ہو نازِ جہاں بانی کا فق
جن کی آب و تاب میں تاریخ کے جھلکیں ورق

جن میں جوہر پرفشاں ہو تیشۂ فرہاد کے
غرق کر دیں جو سفینے بحرِ استبداد کے

سوگواری کا مزا جب ہے رفیقانِ کبار
رُخ پہ تابِ عزم ہو آنکھوں میں آبِ ذوالفقار

(٦٤)

ہم عناں ہو طبلِ جنگ سے نالۂ بے اختیار
دل میں حرمانِ خزاں ہو سر میں سودائے بہار

بات جب ہے غم اُبھارے جذبۂ پیکار پھر
ایک دل پر ہاتھ ہو ایک ہاتھ ہو تلوار پر

۶۵

جب حکومت قصرہائے معدلت ڈھانے لگے
جب غرورِ اقتدار، اقدار پر چھانے لگے
خسروی آئین پر جب آگ برسانے لگے
جب حقوقِ نوعِ انسانی پہ آنچ آنے لگے

رن میں در آ بازوئے خیبر شکن سے کام لے
ان مواقع پر حسینی بانکپن سے کام لے

۶۶

کس طرف جانا ہے تجھ کو سوچ لے مردِ خدا
اک طرف زہرِ فنا ہے اک طرف نہرِ بقا
یا پہن لے تاجِ کردارِ شہیدِ کربلا
یہ محیطِ کشورِ باطل میں جا کر ڈوب جا

یا عنانِ ذہنِ عالم جانبِ حق موڑ دے
یا حسینؑ ابنِ علیؑ کا نام لینا چھوڑ دے

۶۷

یہ متاعِ چشمِ نم یہ دولتِ قلبِ دونیم
یہ ہے انسان اگر ڈھونڈے نہ راہِ مستقیم
مان ہی سکتی نہیں اس بات کو عقلِ سلیم
صرف ماتم ہو مآلِ مقصدِ ذبحِ عظیم

خونِ باطل ہے تب و تابِ حسامِ کربلا
آنسوؤں سے ہے بہت اونچا مقامِ کربلا

۶۸

کربلا کا سیدِ لشکر جلالِ مصطفیٰؐ
کربلا کا اکبرؑ مہ رو جمالِ مصطفیٰؐ
کربلا کی گود کو اصغرؑ ہلالِ مصطفیٰؐ
کربلا کا رنگِ بستان خونِ آلِ مصطفیٰؐ

ہمتِ نوعِ بشر کی انتہا ہے کربلا
تو سمجھتا ہے فقط ماتم سرا ہے کربلا

۶۹

آسمانِ زندگی پر کہکشاں ہے کربلا
فرقِ استبداد پر گرزِ گراں ہے کربلا
حفظِ ناموسِ بشر کی پاسباں ہے کربلا
خون کے دھارے پہ بہتی داستاں ہے کربلا

کربلا کی خاک میں اشکوں کی طغیانی بھی ہے
کربلا کی آگ میں تلوار کا پانی بھی ہے

(٧٠)

گریہ فطری امر ہے جی بھر کے رو اور بار بار — ماتمِ شبیرؑ میں روتا ہوں میں بھی زار زار
میں تو کیا اس غم سے جنبش میں ہے قلبِ روزگار — غور فرما لیکن اس نکتہ پہ بھی اے سوگوار

غم نہیں ہے طرۂ طرفِ کلاہِ کربلا
سورما کی موت ہے میراثِ شاہِ کربلا

(٧١)

کون اس میراث کی جانب اٹھاتا ہے قدم — کس کو سونپا جائے عباسؑ دلاور کا علم
کون کھاتا ہے شعارِ نصرتِ حق کی قسم — کون یہ کہتا ہوا صف سے ابھرتا ہے کہ ہم

صفحۂ تاریخ پر حرفِ جلی بنتا ہے کون
وارثِ جنسِ حسینؑ ابن علیؑ بنتا ہے کون

(٧٢)

نسلِ آدم سے یہ اب تک کہہ رہی ہے کربلا — اے ستم کش تیرا فطری حق ہے فریاد و بکا
لیکن اس گردابِ شیون میں نہ اتنا ڈوب جا — فوت ہو جائے شہیدِ کربلا کا مدعا

حق کا باطل پر تفوق آدمی کا فرض ہے
خونِ صبرِ کربلا نوعِ بشر پر قرض ہے

(٧٣)

قرض یہ اترے تو فخرِ آدمی آگے بڑھے — چاکری پیچھے ہٹے تو سروری آگے بڑھے
ظلمتیں گم ہوں تو سیلِ روشنی آگے بڑھے — موت کو ٹوکیں تو کارِ زندگی آگے بڑھے

تار کھنچ جائیں تو پیدا صف شکن جھنکار ہو
قرض کا دریا اتر جائے تو بیڑا پار ہو

(٧٤)

آدمی کا ہر قدم ہے درمیانِ گیر و دار — زندگی کا ہر نفس ہے اک مسلسل کارزار
کیا تجھے حاصل ہے اے مردِ حزیں و سوگوار — خونِ برق و طبعِ طوفان و مزاجِ ذوالفقار

باندھ کر سر سے کفن گھر سے نکل سکتا ہے تو
ہاں اُپی تلوار کی برش پہ چل سکتا ہے تو

اے برادر عشقِ حق پرور میں اور اتنا خلل ۷۵ ہو چکا ہے ایک مدت سے ترا کردار شل
الاماں اضداد کا یہ اجتماعِ بے محل دعویٰ حُبِّ حسینؓ اور بیعتِ دیوِ اجل

کیا غضب ہے دن کی چھاتی پر اندھیری رات ہے
مومن اور خوفِ اجل منہ پیٹنے کی بات ہے

سانس لینے کو نہیں کہتے ہیں دانا زندگی ۷۶ ہر نفس ایک طرحِ نَو کی ہے تمنا زندگی
ہر قدم تسخیرِ قدرت کا ہے سودا زندگی خون میں ہے ارتقا کا شور و غوغا زندگی

سرد ہے جس کا لہو وہ آدمی بے جان ہے
بے دلوں پر زندگی دراصل اک بہتان ہے

اہلِ نخوت ہیں سوارِ ابلقِ لیل و نہار ۷۷ اور تو فقدانِ جرأت سے مجسم انکسار
تیری آنکھوں میں نہیں قصابِ بغاوت کے شرار سر ہے تیرا اور پائے صاحبانِ اقتدار

قوتِ باطل پہ جو انسان چھا سکتا نہیں
حشر میں وہ مصطفےٰؐ کو منہ دکھا سکتا نہیں

دل جراحت سے اگر بھاگے تو راحت کفر ہے ۷۸ غم سے اکتائے طبیعت تو مسرت کفر ہے
تخت پر قابض ہو جابر تو اطاعت کفر ہے جو شہادت سے ڈرے اسکی عبادت کفر ہے

دامنِ صد پارۂ غیرت کو سی سکتا نہیں
موت سے جو منہ چھپاتا ہے وہ جی سکتا نہیں

اے حسینؓ، اے غیرتِ حق کے امینِ ذی وقار ۷۹ اے دیارِ حرمتِ انساں کے واحد شہریار
اے بہ منبر نورِ یزداں، اے بہ میداں ذوالفقار ہاں پکار اپنے محبوں کو سرِ میداں پکار

نیند کے روندے ہوئے غفلت شعاروں کو جھنجھوڑ
ہو چکی ہے صبح اپنے سوگواروں کو جھنجھوڑ

(۸۰)

تمدن کی طرف پھنکار کر جھپٹے ہیں ناگ
جل رہا ہے پھر عروسِ زندگانی کا سہاگ
کانپتی راتیں صدائیں دے رہی ہیں آگ آگ
جاگ اے ابنِ علیؑ کے نوحہ خوانِ خفتہ جاگ

اٹھ بھڑکتی آگ کو پانی بنانے کے لئے
کربلا آئی ہے بالیں پر جگانے کے لئے

(۸۱)

اے برادر تجھ کو اکبرؑ کی جوانی کی قسم
جو ہوا تھا بند اس مقتل کے پانی کی قسم
ناتواں عابدؑ کی بیڑی کی گرانی کی قسم
زینبؑ خوددار کی آتش بیانی کی قسم

غرق کر دے بجلیاں مردانگی کے راگ میں
کود پڑ نمرودِ حاضر کی بھڑکتی آگ میں

(۸۲)

آج پھر دنیا میں ہے انسان کی مٹی پلید
ڈاکوؤں کی جیب میں ہے عصرِ حاضر کی کلید
ب بجذباتِ جہاں سوز و بہ ضرباتِ شدید
آج پھر بیعت طلب ہیں عصرِ حاضر کے یزید

فوجِ باطل شاد ہے سیراب ہے خورسند ہے
ہاں پھر اہلِ حق پہ سنتے ہیں کہ پانی بند ہے

(۸۳)

وقت ہے عباسؑ کے مانند پھر دریا پہ جا
ہاتھ کٹ جائیں اگر تو مشک دانتوں میں دبا
اشقیا چیں بر جبیں ہیں آستینوں کو چڑھا
اپنی شمعوں کی لوؤں پر آندھیوں کو تھرتھرا

دہر کی ٹھنڈی رگوں کو خونِ سوز و ساز دے
مرد اگر ہے تو مری آواز پر آواز دے

(۸۴)

در کو گھیرے ہوئے ہے شورِ طبل و برق و باد
گھر میں برپا ہے تلاطم در پہ ہے ابنِ زیاد
قوم میری سو رہی ہے اور سر پہ ہے جہاد
کس طرف یا رب نکل جائے یہ عبدِ نامراد

الاماں حدِّ نظر تک ہے سیاہی کیا کروں
کوئی سنتا ہی نہیں مری الٰہی کیا کروں

(٨٥)

داورا، الجھن ہے پھر برپا میانِ مشرقین ہر نظر ہے ایک ماتم، ہر نفس ہے ایک بین

تختِ پر سرمایہ داری ہے بصد جلال وزین اور ٹس سے مس نہیں ہوتے محبانِ حسینؑ

ہے یہی ایمان تو ایمان کو میرا سلام

اک فقط ایمان کیا قرآن کو میرا سلام

(٨٦)

کبریا، پروردگارا، کردگارا ، داورا کب سے مری قوم گہری نیند میں ہے مبتلا

کب سے پامالِ نفیرِ خواب ہے میری صدا نیند آنکھوں کی اڑا دے، جوت سینوں کی جگا

یا لگا دے سینۂ مومن میں باغِ زندگی

یا بجھا دے اے خدا میرا چراغِ زندگی

مرثیہ ۸

پانی

ہاں اے صباحِ طبعِ شبِ تار سے نکل

بند، ۵۹

تصنیف ـــــــــ ۱۹۷۱ء

مقتل ہے رواں زینبؑ خود دار کے ساتھ
شورِ طوفاں ہے چشمِ خونبار کے ساتھ
غوغائے قیامت ہے رواں سوئے یزید
سجّادؑ کی زنجیر کی جھنکار کے ساتھ
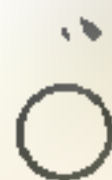
ہاں اے صباحِ طبع شبِ تار سے نکل　　(۱)　　اے فکر سوئے آبِ خضر گنگنا کے چل
اے کلکِ نغمہ بار پرستی گھٹا میں ڈھل　　اے چشمۂ تخیل برگ آفریں ابل

جس میں ہو رقص و رنگ و روانی کی داستاں
اے دل کی آگ چھیڑ دہ پانی کی داستاں

پانی خوش اضطراب و خوش انداز و خوش جمال　　(۲)　　خوش آب و خوش خرام و خوش آواز و خوش مقال
شیریں قوام و شیشہ مزاج و گہر خصال　　سرشاری و شگفتگی و رقص و وجد و حال

سرمایہ آب و رنگ کی تانیں لئے ہوئے
لاکھوں ہر ایک بوند میں جانیں لئے ہوئے

پانی چنابِ وادی و گنگا و رودِ نیل　　(۳)　　جوئے حیات و کوثر و تسنیم و سلسبیل
رقاص بے نظیر و غزل خوانِ بے عدیل　　موجِ ہوا پہ ہمسرِ گلبانگِ جبریل

دستِ خُنک میں ساغرِ زم زم لئے ہوئے
کلیوں کی خوابگاہ میں شبنم لئے ہوئے

بہتی ہوئی ندی کی روانی کا جل ترنگ　　(۴)　　متوالیوں کے دل کی گرجتی ہوئی اُمنگ
سبزے کی لہر پھول کی خوشبو دھنک کا رنگ　　آہنگ میں بھرے ہوئے مدماتیوں کے ڈھنگ

اور یہ جو عود و چنگ ہیں برکھا کی رات میں
ان سب کی باگ ڈور ہے پانی کے ہات میں

پانی ہزار روپ سے ہوتا ہے منجلی	شبنم، بہار، گونج، گرج، راگنی، جھڑی
پانی درخت، دوب، ثمر، برگ، خس، کلی	کونپیں، شگوفہ، گاہ، کلی، پھول، پنکھڑی
(۵)

کرتا ہے نصب موج پہ خیمے حباب کے
بھرتا ہے وقت صبح ٹکورے گلاب کے

پانی، بخار، بھاپ، گھٹا، جھلملی دھواں	سنبل، بنفشہ، لالہ، سمن، سرو نیستاں
شاداب و نرم و نازک و سرشار و شاداں	بستان و سبزہ زار و خیابان و گلستاں
(۶)

آنچل رخِ صبیح پہ آبی لئے ہوئے
کاندھوں پہ زندگی کی گلابی لئے ہوئے

جوئں، رقیق، سرد، سبک سیر، نغمہ خواں	مستی فروغ، زمزمہ انگیز، دُر فشاں
ندی میں آبشار، صراحی میں گلستاں	رقصاں، جواں، جہندہ و جولاں، رواں دواں
(۷)

ہیجان و اضطراب و تلاطم لئے ہوئے
گونجی زمیں پہ نغمۂ قلزم لئے ہوئے

پانی فروغ دولتِ دجلہ و فرات	آہنگ و ارتقاء و نشیدِ تغیرات
سلطان بصفتِ قلزم و دارائے شش جہات	تخمِ وجود، وجہِ نمو، طلعتِ حیات
(۸)

جادو جگائے گیسوئے عنبر سرشت کے
کھولے ہوئے زمیں پہ غرفے بہشت کے

دلدل کے بے شمار بکھیڑے لئے ہوئے	چھل بل کی شوخیوں میں تھپیڑے لئے ہوئے
پُرہول مد و جزر میں بیڑے لئے ہوئے	شاداب گھاٹیوں میں دریڑے لئے ہوئے
(۹)

جھلمل فضا میں بال پریشاں کئے ہوئے
بوچھار کی رقیق دلائی سیئے ہوئے

(۱۰)

...دانے تازہ کاری و ملجائے شست و شو — دودت سرائے زمزم و جنّت و سبو
جولاں گہہ شگفتگی و چشمۂ نمو — پروردگارِ جودت و خلاق رنگ و بو

ہر بُلبلے میں تابِ مقرنس لئے ہوئے
پنگھٹ پہ نازِ صبحِ بنارس لئے ہوئے

(۱۱)

پانی متاعِ کیف ہے سرمایۂ سبو — چہروں پہ ضو، رگوں میں تھرکتا ہوا لہو
پیرِ مغاں کی بزم میں فرمانِ ہاؤ ہو — کچّے پھلوں میں شہد ہے پھولوں میں رنگ و بو

سینے میں روحِ سنبل و سوسن لئے ہوئے
چٹکی میں بادِ صبح کا دامن لئے ہوئے

(۱۲)

نے چھیڑتا جوان ترنگیں اُبھارتا — رندوں کو سوئے ساغر و مینا پکارتا
مڑتا، رزتا، گونجتا، پتّے گُہارتا — چنگھاڑتا، دھاڑتا، گاتا، ڈکارتا

جھنکائے پائے ناز میں چھاگل بہار کی
بدھی گلوئے نرم میں آڑی گُہار کی

(۱۳)

...رم تشنگی کا گریباں سیئے ہوئے — مُکھڑوں کو رشکِ صبحِ بہاراں کئے ہوئے
جھونکوں میں شاخِ گل کو سہارا دیئے ہوئے — خوابیدہ انکھڑیوں میں گھٹائیں لئے ہوئے

لَے میں پروئے شور و شغب آبشار کے
خیمے اُٹھائے دوشِ خُنک پہ بہار کے

(۱۴)

دامن میں آبِ گوہر و مرجاں لئے ہوئے — جامِ رواں میں قطرۂ نیساں لئے ہوئے
موجِ دوِل میں عشوۂ ترکاں لئے ہوئے — کالی گھٹا میں زلفِ نگاراں لئے ہوئے

کولھوں پہ ہاتھ طُرفہ ادا سے دھرے ہوئے
بھُولوں سے مرغ زار کی جھولی بھرے ہوئے

پانی کا موج، ابر کی رو، موتیوں کی آب (۱۵) مٹی کی جان، اگن کی مہک، بحر کا حباب
ساغر کی آگ، تیغ کا پانی، سمن کی داب کڑکے تو موجِ صاعقہ کھنچ جائے تو شباب

پُروا میں ابرِ تیرہ کے لکّے بُنے ہُوئے
لیلائے برشگال کی چندری چُنے ہوئے

بھونروں کی گونج نہر کی سیّال راگنی (۱۶) پی ہو کی دھوم گونجتی سرشار دلکشی
شوریدگی و شوخی و شستگی و شاعری رنگینی و روانی و رقص و ربودگی

کوئل کی کوک بوڑھ کی خوشبو لئے ہوئے
مدرا، پیالہ، زمزمہ، دارو لئے ہوئے

ٹپ ٹپ، شرر، شرار، تڑاتڑ، چھنن چھنن (۱۷) دھمال، دھوم، دھام، دھما دم، جھنن جھنن
گُم کاڑ، دُدم جھُوم، جھم جھم، جھنن جھنن گھن گھن، گرج، گھمڈ، گھما گھم، تننن تنن

ہول و ہراس و ہیبت و ہیجاں لئے ہوئے
بجلی کی تیغ نوحؑ کا طوفاں لئے ہوئے

خست کرے تو قحط سے عالم ہو بے قرار (۱۸) گرمِ سخا اگر ہو تو رزاقِ روزگار
دوڑے تو ساز نور جو بھاگے تو سوز نار کڑکے تو برق ریز جو ٹھنڈے تو برق و باد

ٹپکائے بوندیاں تو چمن بولنے لگے
پتھراؤ پر جو آئے تو رن بولنے لگے

روپوش ہو تو دھوپ جما دے زمین پر (۱۹) بگڑے تو فرشِ گرم بچھا دے زمین پر
تیہا کرے تو آنچ بسا دے زمین پر منھ پھیر لے تو بھوک اُگا دے زمین پر

خوش ہو تو سر کو قشقہ کلائی کو بانک دے
لعل و گہر زمین کی چولی میں ٹانک دے

تنے جو موج میں تو اُڑیں بوتلوں کے کاگ   افسردہ ہو تو کھیت میں رینگیں مہیب ناگ
(٢٠)
چھیڑے جو آسماں پہ دریا دلی کا راگ   چولھوں کی سمت دوڑ پڑے گنگنا کے آگ

گرجے فقط تو کفر سے ڈسوا دے دین کو
برسے تو تختِ زر پہ بٹھا دے زمین کو

جھکے فراز پر تو گھٹا جھومنے لگے   مچلے نشیب میں تو فضا جھومنے لگے
(٢١)
چہکے تو بجریوں کی صدا جھومنے لگے   ناچے تو روحِ ارض و سما جھومنے لگے

کروٹ صبا میں لے تو رسیلی مہک اُٹھے
بس جائے تو بتوں کی ہتھیلی مہک اُٹھے

مثلِ بخار اٹھے تو گھٹیں ہوں نغمہ گر   خم سے ابل پڑے تو بہک جائیں بام و در
(٢٢)
امنڈے تو رنگ رقص ہو گنگا کے گھاٹ پر   چھلکے جو ساغروں سے گھٹائیں ہوں تر بتر

نہلائے انکھڑیوں کو تو پھندے بکس پڑیں
ٹپکے جو گیسوؤں سے تو موتی برس پڑیں

بادل کی چادروں میں جو اُلجھے تو گھٹی   کرنوں کی زد پہ آ کے جو دمکے تو چمپئی
(٢٣)
موجوں کے مد و جزر سے اُبھرے تو سرمئی   تکوں کی ظلمتوں میں جو ڈوبے تو گرئی

گرجے جو ابر میں تو فلک چہچہا اُٹھے
انگڑائی لے تو سر پہ دھنک چہچہا اُٹھے

برسے جو ٹوٹ کر تو جہاں ناچنے لگے   عشرت سرائے بادہ کشاں ناچنے لگے
(٢٤)
قلقل کی رو میں بانگِ اذاں ناچنے لگے   شمعوں کی لو، اگر کا دھواں ناچنے لگے

بوچھار میں جو بندِ قبا کھولنے لگے
مکھڑوں پہ رنگِ ماہ وشاں بولنے لگے

برکھا کا راگ گائے تو ساغر چھلک اٹھیں ۲۵ چھلکے جو دھوم سے تو خمستاں لہک اٹھیں
رس بوندیاں گرائے تو پتّے کھنک اٹھیں کوثر میں گنگنائے تو حوریں تھرک اٹھیں
پہونچے جو عرش پر تو ملک شست شو کریں
زلفیں نچوڑ دے تو پیمبر وضو کریں

صد حیف کربلا میں وہی آبِ خوش گوار ۲۶ جس پر حیاتِ نوعِ بشر کا ہے انحصار
جس کے بغیر آتش سوزاں ہے روزگار بجتا ہے جس کے تار پہ انفاس کا ستار
جس کا علم ہے بارگہہ مشرقین پر
اہلِ جفا نے بند کیا تھا حسینؑ پر

اس حادثے پہ آج بھی گریاں ہیں بحر و بر ۲۷ اللہ یہ تلاطمِ پر ہولِ جوئے شر
یہ کفر الحفیظ یہ عدوان الحذر پانی سی چیز بند ہو وہ بھی حسینؑ پر
مولا کسی پہ کوئی نہ ایسی جفا کرے
کافر پہ بھی نہ بند ہو پانی خدا کرے

میدانِ کربلا کا وہ پُر ہول التہاب ۲۸ برسا رہا تھا آگ جہاں سوز آفتاب
مس جل رہا تھا گلستانِ بوتراب دریا تھا انتہائے خجالت سے آب آب
موجوں پہ تشنگی تھی تسلط کئے ہوئے
ہر قطرۂ فرات تھا آنسو پئے ہوئے

شعلوں پہ فرشِ گرم شراروں پہ سائبان ۲۹ دوشِ ہوا پہ ابر اٹھائے ہوئے نشان
چہروں پہ گرد سر پہ کمانیں دلوں میں بان سینوں میں لو جگر میں شعاعیں لبوں پہ جان
پیشِ نظر حیات کی بستی لٹی ہوئی
زیرِ قدم زمین کی نبضیں چھٹی ہوئی

ذرّات آبدیدہ تھے صحرا اداس تھا
گرداب اشک بار تھے دریا اداس تھا
(۳۰)
فرشِ زمین و عرشِ معلّیٰ اداس تھا
روتے ہوئے بین فاطمہ زہراؑ اداس تھا
گردوں کی بارِ غم سے کمر تھی جھکی ہوئی
گیتی کی سانس فرطِ الم سے رُکی ہوئی

ذرّات محوِ خواب، فضا غرقِ شور و شین
تپتی ہوئی زمین پہ اکبرؑ سا نورِ عین
(۳۱)
اصغرؑ کی سرد لاش پہ سیدانیوں کے بین
لے وائے بر تباہی و مظلومیٔ حسینؑ
خیمے کے در کو دیدۂ گریاں کئے ہوئے
زینبؑ کھڑی تھیں بال پریشاں کئے ہوئے

سکتے میں تھے رسول، ملائک تھے سوگوار
گردوں پہ مرتضیٰؑ و محمدؐ تھے اشک بار
(۳۲)
ویران پالنے سے اداسی تھی آشکار
زہراؑ کی آ رہی تھی یہ آواز بار بار
سن لے صدائیں بارِ خدا شور و شین کی
پروردگار خیر ہو میرے حسینؑ کی

لے میرے لال اف یہ سماں ہائے کیا کروں
اک جان اور یہ بارِ گراں ہائے کیا کروں
(۳۳)
تو اور دھوپ میں ہو تپاں ہائے کیا کروں
سینے سے اُٹھ رہا ہے دھواں ہائے کیا کروں
ہے ہے کوئی نہیں جو سنبھالے حسینؑ کو
یارب کسی جتن سے بچالے حسینؑ کو

گونجی ہوئی تھی عرش پہ زہراؑ کی یہ صدا
اور فرش تھا نمونۂ محشر بنا ہوا
(۳۴)
حوّا کھڑی تھیں سر سے اتارے ہوئے ردا
ٹکرا رہی تھی بارِ مشیت سے کربلا
ہر ذرّہ قتل گاہ کا مائل تھا بین پر
تاریخ کی نگاہ لگی تھی حسینؑ پر

۳۵

ذرّوں پہ سو رہے تھے رفیقانِ تشنہ کام
ہونٹوں تک آ رہا تھا شہادت کا تلخ جام
شعلوں کے بڑھ رہے تھے پرے جانبِ خیام
تنہا کھڑے تھے حلقۂ اشرار میں امام
پروا، نہ دھوپ کی نہ کوئی فکر سائے کی
خیمے سے آ رہی تھی صدا ہائے ہائے کی

۳۶

لیکن بایں ہجومِ ستم ہائے روزگار
مولا کے لب تھے عزمِ شہادت سے آبدار
رکھے خزاں کے دوش پہ سرمایۂ بہار
چہرے سے تابِ وجہِ ذوالاکرام آشکار
کوثر کی ہر نفس میں روانی لیے ہوئے
سیلابِ روزگار کو پانی کئے ہوئے

۳۷

پھر بھی یہ چاہتے تھے کہ برپا نہ ہو فساد
اربابِ کلمہ گو سے نہ کرنا پڑے جہاد
دہرا سکے نہ وقت مآلِ ثمود و عاد
خطبے کے دو ٹکڑے سے بجھے آتشِ عناد
گرتی ہوئی خلوص کی دیوار روک لیں
چلتی ہوئی زبان پہ تلوار روک لیں

۳۸

لیکن ہوا ذرا بھی نہ حجّت کا جب اثر
مائل ہوئے جہاد پہ سلطانِ بحر و بر
اٹھتی ہوئی نگاہ سے اڑنے لگے شرر
جھومے علیؑ کی شان سے تلوار چوم کر
گویا گھٹا کی اوٹ سے بجلی نکل پڑی
ٹھہری زباں، نیام سے تلوار اُبل پڑی

۳۹

شورِ رجز بلند ہوا وار ہو گیا
لہجے سے گرم خوف کا بازار ہو گیا
روزِ عروج شامِ شبِ تار ہو گیا
نکلا جو منھ سے حرف وہ تلوار ہو گیا
آخر فضا پہ ایک کٹاری ابھر گئی
کانوں سے کافروں کی کمر تک گزر گئی

(۴۰)

مسکن جو تھے غرور کے وہ سر جھکا دیئے — ایوانِ خسروی کے پرخچے اڑا دیئے
لب تشنگی نے خون کے دریا بہا دیئے — پیاسے نے آبِ تیغ کے جوہر دکھا دیئے

برپا دیارِ کفر میں کہرام ہو گیا
دیوِ فساد لرزہ براندام ہو گیا

(۴۱)

پل بھر میں ظالموں کے سفینے الٹ گئے — جو ہاتھ اٹھے حسینؑ کی نظروں سے کٹ گئے
قوت پہ جن کو ناز بہت تھا وہ لٹ گئے — سوئے حرم جو تیر چلے تھے اچٹ گئے

اہلِ جفا کی موت کا فرمان آ گیا
دشتِ بلا میں نوحؑ کا طوفان آ گیا

(۴۲)

شیرازۂ کتابِ حکومت بکھر گیا — سلطان کے غرور کا دریا اتر گیا
کردارِ تشنہ کام بڑا کام کر گیا — پانی سپاہِ شام کے سر سے گزر گیا

حق کی نگاہِ ضرب سے بے تاب ہو گئے
باطل کے پیرووں کے جگر آب ہو گئے

(۴۳)

اٹھی نگاہ چہرۂ باطل جھلس گیا — اک ناگ تھا کہ ہمتِ اعدا کو ڈس گیا
پاتال میں سفینۂ اہلِ ہوس گیا — پانی علیؑ کی تیغ کا چھاجوں برس گیا

برق ہو گئے
خود اپنے ہی لہو میں شقی غرق ہو گئے

(۴۴)

سبطِ نبی کے عزم نے کڑکائی یوں کماں — تو، دے اٹھا یقیں، دھواں بن گیا گماں
اللہ ری حرب و ضرب امامِ زماں کی شاں — منہ سے نکل پڑی عمرِ سعد کی زباں

ندی غرور و جاہ کی پایاب ہو گئی
فوجِ یزید ماہیِ بے آب ہو گئی

جب حلم کا فرشتہ غضبناک ہو گیا
پیاسوں کا خون شعلۂ بے باک ہو گیا
ایوانِ شر میں آگ لگی خاک ہو گیا
غم سے معاویہ کا جگر چاک ہو گیا
۴۵
اہلِ دغا کی عمر کا پیمانہ بھر گیا
مروانیوں کی تیغ کا پانی اُتر گیا

پل بھر میں سانس اہلِ جفا کی اُکھڑ گئی
بیعت کی طمطراق کی صورت بگڑ گئی
دستِ خدا سے کسوتِ شاہی اُدھڑ گئی
دربار پر بحکم قضا اوس پڑ گئی
۴۶
حق نے رگِ سقیفہ کی چھل بل نکال دی
پائے بنی امیہ میں زنجیر ڈال دی

شاہی کا رنگ کاہکشانی نہیں رہا
دریائے شر میں شورِ روانی نہیں رہا
چتر و علم میں فرکیانی نہیں رہا
شمشیرِ تاجدار میں پانی نہیں رہا
۴۷
ہیبت سے ناریوں کا لہو سرد ہو گیا
بیعت طلب یزید کا منھ زرد ہو گیا

اے کربلا کے ابرِ گہربار السلام
اے بادیوں کے قافلہ سالار السلام
اے کعبۂ سواد کے معمار السلام
اے جنسِ آبرو کے خریدار السلام
۴۸
اے سورما دلیر جیالے تجھے سلام
اے فاطمہؑ کی گود کے پالے تجھے سلام

اے میرِ ارض و صدرِ سمٰوات السلام
اے بادشاہ کشورِ آیات السلام
اے میزبان لشکرِ آفات السلام
اے ناقدِ نہفتگیٔ ذات السلام
۴۹
اے کج کلاہِ مورثِ کونین السلام
اے وارثِ عبادتِ ثقلین السلام

اے مصحفِ حیات کی تفسیر السّلام — اے مدعائے آیۂ تطہیر السّلام
(۵۰)
اے دستِ ذوالجلال کی شمشیر السّلام — اے مصطفیٰ کے خواب کی تعبیر السّلام

اے زندگی کے سوزِ نہانی سلام لے
کوثر بدوش تشنہ دہانی سلام لے

اے زخمِ قلبِ خیبر کے مرہم تجھے سلام — اے ناصرِ پیمبرِ اعظم تجھے سلام
(۵۱)
ہاں اے رسولِ دینِ محرّم تجھے سلام — اے حجّتِ شرافتِ آدم تجھے سلام

اے تاجدارِ ملکِ تحمّل سلام لے
اے فخر کے عظیم تموّل سلام لے

اے بوستانِ سایۂ دامانِ مصطفیٰ — اے مدّوجزرِ چشمۂ ایوانِ مصطفیٰ
(۵۲)
اے نورِ عینِ حیدرؑ و، اے جانِ مصطفیٰ — اے خوش جمال یوسفِ کنعانِ مصطفیٰ

اے تشنہ ابنِ ساقیٔ کوثر سلام لے
آفاق کی زباں سے بہتّر سلام لے

اے بے پناہ قوتِ اخلاق السّلام — اے خلوتی داورِ اطلاق السّلام
(۵۳)
اے حق نگر شعور کے رزّاق السّلام — اے افتخارِ انفس و آفاق السّلام

اے طرّۂ کلاہِ نبوت سلام لے
اے شاہِ کشورِ ابدیت سلام لے

اے اقتدارِ صبرِ فراواں تجھے سلام — طوفاں شکارِ کشتیٔ عرفاں تجھے سلام
(۵۴)
اے آبروئے چشمۂ حیواں تجھے سلام — اے کردگارِ عظمتِ انساں تجھے سلام

ہاں اے گلوئے موت کے خنجر سلام لے
اے پختگیٔ فکرِ پیمبر سلام لے

۵۵

ہاں مرحمت ہو خاطر بیدار یا حسینؑ
حرف غلط سے جرأت انکار یا حسینؑ
تاب و توان عابد بیمار یا حسینؑ
جھنکار ذوالفقار کی جھنکار یا حسینؑ
ہاں سوئے جذبۂ حرکت باگ موڑ دے
ہاں توڑ دے جمود کی زنجیر توڑ دے

۵۶

مولا، ہجوم درد نہانی کا واسطہ
زینبؑ کے عزم شعلہ بیانی کا واسطہ
اصغرؑ کے سوز تشنہ دہانی کا واسطہ
اکبرؑ کی تشنہ کام جوانی کا واسطہ
ہاں آج آنسوؤں سے شرارے نکال دے
ہاں آگ میں حیات کے پانی کو ڈال دے

۵۷

ہاں اے حسینؑ برق سوار واجل فگار
سلطان کوہ، تخت شکن، قاہر شکار
کوثر نگاہ، قصر شکن، سلطنت فشار
عرش افتخار، فرش فروغ، انبیاء وقار
اے آفتاب تحفۂ شبنم قبول کر
ہاں سجدۂ جبین دو عالم قبول کر

۵۸

اے ذوالفقار حیدر کرّار السّلام
اے جانشین احمد مختار السّلام
اے بے نیاز اندک و بسیار السّلام
اے محور ثوابت و سیّار السّلام
اے بے مثال پختگیٔ ہمت السّلام
اے آدمی کے ناز الوہیت السّلام

۵۹

اے وجہ افتخار اب و جد سلام لے
اے کارساز ابیض و اسود سلام لے
اے ذی حیات منبر و معبد سلام لے
اے عارف ضمیر محمدؐ سلام لے
ناموس انبیاء کے نگہبان السّلام
اے رحل کائنات کے قرآن السّلام

مرثیہ ⑨

آگ

آگ یعنی سوزِ خلوت پرور و جلوت نواز

بند، ۱۳

تصنیف ________ ۱۹۵۹ء

للہ منہ آنسوؤں سے دھو لینے دے
رومال کو اشکوں سے بھگو لینے دے
انسان اور انسان کی مجبوری پر
جی کھول کے اے ندیم رو لینے دے

(۱)

آگ یعنی سوزِ خلوت پرور و جلوت نواز — گرمیٔ ذوقِ صعود و عنصرِ گردن فراز

رنگِ مل کی کارفرما بوئے گُل کی کارساز — موجِ نور و موجِ رنگ و موجِ رقص و موجِ ناز

چاندنی راتوں میں ہیروں کی روانی کا نکھار

آنچ کے مانند لہراتی جوانی کا نکھار

(۲)

آگ دانائی، تامل، دور بینی، آگہی — آگ، جولانی، حرارت، مسکراہٹ، روشنی

آگ ہستی، سرخوشی، مستی، جوانی، زندگی — آگ، گویائی، خطابت، شاعری، پیغمبری

اوصیا کی جلوہ باری، انبیا کی روشنی

گبر کا ایمان، ترسا کے خدا کی روشنی

(۳)

طاہر و تابندہ و درخشندہ و شفاف و زرق — زر بکف، زرّیں کمر، لغزیدہ پا، ژولیدہ فرق

خسروِ رفتار و جنبش، تاجدارِ غرب و شرق — دل بری، تابندگی، خورچہرہ، غازہ، بنتِ برق

نو عروسِ لالہ رو، لیلیٰ پروین جبیں

شاہدِ شامِ ملیح و دخترِ صبحِ مبیں

(۴)

خون کی گردش میں غلطاں، نبض کی رو میں رواں — تازہ صبحوں میں عیاں، کجلائی راتوں میں نہاں

شمع کی ضو میں یقیں، گرداب کی رو میں گماں — آگ حرفِ اولیں خطبۂ خلاقِ جہاں

ہاں تجلّیِ شمعِ جاں افروز دل کے طاق کی

سب سے پہلی مسکراہٹ لیلیٔ آفاق کی

۵

کندنی شعلوں کا بربط، چھیپی مکھڑوں کا ساز — بادو باراں کا تخشّر، لالہ و نسرین کا ناز
موجۂ آب و حیات و شعلۂ آہن گداز — پاک باطن، پاک جوہر، پاک طینت، پاک باز

سُرمئی رانوں کو زرّیں چادروں میں ڈھانپتی
ناچتی پہلو بدلتی، سن سناتی، کانپتی

۶

شعلہ کار و تُند و محرور المزاج و گرم رَو — زندہ و رقصندہ و جوّالہ و غلطیدہ ضَو
شعلگی ہائے دما دم، آب و تاب نَو بہ نَو — جس میں زہرہ کی کمر کا لوچ وہ طرار لَو

گھومتی، گھِرتی، گرجتی، گونجتی، گاتی ہوئی
آنچ کے سنگیت میں ہر پور چٹخاتی ہوئی

۷

آگ مطرب کا ترنم، آگ تاروں کا گداز — آگ طوفانِ نیاز و چشمۂ طغیانِ ناز
آگ رُوئے رنگ پرور، آگ چشمِ نیم باز — آگ جوہر کی حیا، پرورِ توانائی کا راز

یہ نگاہِ برق وَش، ہر سوز میں، ہر ساز میں
گرمیِ انفاس میں ہے، شعلۂ آواز میں

۸

آگ کی جولانیاں، ہر جوہرِ محلول میں — حلقۂ مشموم میں، مشروب میں، ماکول میں
راکھ میں، بھوبل میں، ذرّوں میں، دھوئیں میں ہیولا — برف میں شبنم میں یخ میں، پرنیاں میں پھول میں

اس تپاں گردوں کرے کے خشک و تر میں آگ ہے
دشت کے سینے میں، دریا کے جگر میں آگ ہے

۹

آگ یعنی ہر نظر میں روشنی کے سو خیام — اندفاعِ جہل و کوری کا دمکتا اذنِ عام
رویتِ اشکالِ اشیاء کا درخشاں اہتمام — مژدۂ تابندۂ تکمیلِ چشمِ ناتمام

اک درخشانی زمانے کی کتاب اُلٹے ہوئے
ایک جھٹکی اور دو عالم کی نقاب اُلٹے ہوئے

دوستِ جیبِ نظر، سرمایۂ جانِ غیور — موجِ الوانِ بہاراں، اوجِ گل بانگِ طیور
سرخیِ افسانۂ دیدار و اشراقِ ظہور ⑩ آب مرتابِ یدِ بیضا و تابِ شمعِ طور
کوہِ سینا پر خراماں، بال بکھراتے ہوئے
عشق کو بے ہوش کرنے کی قسم کھائے ہوئے

نفعِ تاب و تب کی ضامن، فیضِ حدت کی کفیل — قعرِ دوزخ میں بلا، ایوانِ جنت میں جمیل
گاہ موجِ کینہ پرور، گاہ موجِ سلسبیل ⑪ غیظ میں نمرود، وقتِ ناز گلزارِ خلیل
عرصۂ پرخاش میں گرزِ گراں تولے ہوئے
حجلۂ اخلاص میں بندِ قبا کھولے ہوئے

ور سرتابی کا جب ہیجان بن جاتی ہے آگ — اک قیامت آفریں طوفان بن جاتی ہے آگ
گمرہی کا آتشیں میلان بن جاتی ہے آگ ⑫ اژدر و عفریت کیا، شیطان بن جاتی ہے آگ
بندگی کو نذرِ استکبار کر دیتی ہے آگ
حکم دیتا ہے خدا، انکار کر دیتی ہے آگ

اور جب خوش ہو تو پیغامِ بقا دیتی ہے آگ — زندگی کو اپنے دامن کی ہوا دیتی ہے آگ
ظلمتوں کو دولتِ نور و ضیا دیتی ہے آگ ⑬ سنگ کو یاقوتِ احمر کی قبا دیتی ہے آگ
اور اسے ڈھونڈو تو فرِ سروری دیتی ہے آگ
سروری کیا چیز ہے پیغمبری دیتی ہے آگ (۱۹۵۹ء)

یہ مرثیہ جوش نے ۱۹۵۹ء میں پڑھا تھا۔ یہ مکمل مرثیہ خود جوش کے پاس بھی نہیں ہے تلاش کے باوجود اس مرثیہ کا ٹیپ بھی نہیں مل سکا۔ افکار کے جوش نمبر میں کچھ بند شائع ہوئے تھے جو شاملِ کتاب ہیں۔ اشاعت کے بعد جہاں بھی اس مرثیہ کا مسودہ یا ٹیپ ہو وہ مرتب کنندہ کو اشاعتِ ثانی میں درج کرنے کی خاطر مل جائے گا۔ (ض۔ ا۔ ن)

سلام

اکبرؑ و عونؑ و محمدؑ قاسمؑ و عباسؑ و حرؑ
اللہ اللہ آب و تابِ عقدِ پروینِ حسینؑ

بحر کا ہر قطرہ وقفِ ظلمِ میزانِ فرات
دہر کا ہر ذرہ زیرِ دامِ تحسینِ حسینؑ

پیکرِ اقدس پہ تلواروں نے ڈالے جب شگاف
مسکرائی سوچ کر کچھ فکرِ حق بینِ حسینؑ

آئے ہیں دربارِ قربانی میں سقراط و مسیح
ہاں بٹھا دو تخت کے نزدیک پائینِ حسینؑ

آبِ خنجر سے اگر تبلیغ کی بجھتی نہ پیاس
آبِ کوثر سے کبھی ہوتی نہ تسکینِ حسینؑ

میر بزم آب و گل ہیں عاشقانِ بوترابؑ
خسروانِ علم و دانش ہیں مجانینِ حسینؑ

بعد ہی مابین آب و تشنگی کیا تھا مگر
غیرتِ حق کو نہ تھی منظور توہینِ حسینؑ

پھوٹ نکلا موت کے گرداب سے آبِ حیات
بن گئی بے رونقی دارائے تزئینِ حسینؑ

جوشؔ رنگینی کفن کی ہے بہارِ کربلا
خون کی سرخی ہے عنوانِ مضامینِ حسینؑ

جوش ملیح آبادی

سلام

سلام
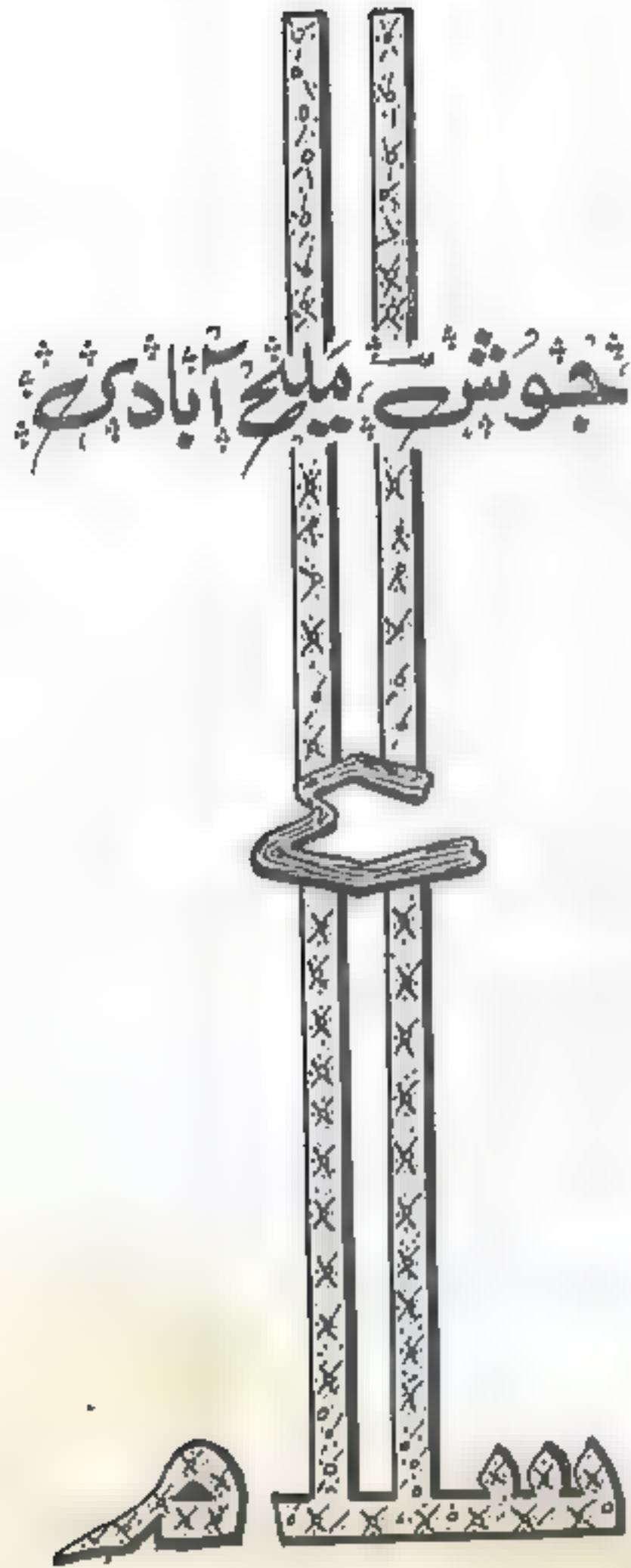
کیا نمازِ شاہ تھی، ، رکعاتِ ایمانی کے ساتھ
دل بھی جھک جاتا تھا ہر سجدے میں پیشانی کے ساتھ

حشر تک زندہ ہے تیرا نام اے ابنِ رسولؐ!
کرچکا ہے تو وہ احساں، نوعِ انسانی کے ساتھ

اُن کے آگے صوَلتِ دُنیا کا ذکر، او ابنِ سعد
کھیلتی ہے جن کی ٹھوکر تاجِ سلطانی کے ساتھ

غیرتِ حق کو کہیں دیکھو نہ آجائے جلال
ظالمو ہولی نہ کھیلو خونِ انسانی کے ساتھ

باندھتی ہو کیا ہوا، اے اہرمن کی آندھیو!
کھیلنا آساں نہیں ہے شمعِ یزدانی کے ساتھ

ہمتِ معصوم کو فاسق سے کیا خوف و خطر
یہ سفینہ مضحکہ کرتا ہے طغیانی کے ساتھ

صرف رو لینے سے قوموں کے نہیں پھرتے ہیں دن
خوں فشانی بھی ہے لازم اشک افشانی کے ساتھ

آنکھ میں آنسو ہوں سینوں میں شرارِ زندگی
موجۂ آتش بھی ہو، بہتے ہوئے پانی کے ساتھ

اہلِ بیتؑ پاک کی ہر سانس کو اے مدّعی!
ہاں ملا کر دیکھ لے آیاتِ قرآنی کے ساتھ

جوشؔ ہم آدمی غلامانِ علیؑ مرتضےٰؑ
تمکنت سے پیش آتے ہیں جہانبانی کے ساتھ

تو نے حسین دہر کو ششدر بنا دیا
طوفاں کو ناؤ سیل کو لنگر بنا دیا

ان تلخیوں کو قند بنایا جو زہر تھی
پھر مسکرا کے قندِ مکرر بنا دیا

مولا حبیب ابنِ مظاہر کے شیب کو
تو نے شبابِ قاسمؑ و اکبرؑ بنا دیا

مقتل میں صرف ایک تبسم کی موج نے
زنجیرِ غم کو زلفِ معنبر بنا دیا

جس تشنگی کی آگ پہ تھی کربلا کی دھوپ
اس تشنگی کو چشمۂ کوثر بنا دیا

جو کاٹتا ہے گردنِ شاہانِ حق شکن
اپنی رگِ گلو کو وہ خنجر بنا دیا

جب پتھروں کو لوگ بتوں میں بدل چکے
تو نے بتوں کو توڑ کے پتھر بنا دیا

تیرے ثبات و عزم نے خود دوشِ موت کو
اک دائمی حیات کا منبر بنا دیا

یوں سر جھکا دیا کہ ردائے نیاز کو
ہم رنگِ نازِ حضرتِ داور بنا دیا

جس اک عدد میں دولتِ ذبحِ عظیم تھی
تو نے اس اک عدد کو بہتّر بنا دیا

سلام

حسینؑ ابنِ علیؑ دنیا کو حیراں کر دیا تُو نے
سرابِ تشنگی کو آبِ حیواں کر دیا تُو نے

نظر ڈالی تو ذرّوں کو جو ہر میں بدل ڈالا
قدم رکھا تو شعلوں کو گلستاں کر دیا تُو نے

تری کشتیِ جاں کو غرق کرنے جب بڑھا طوفاں
تو خود طوفاں کو غرقِ کشتیِ جاں کر دیا تُو نے

ضمیرِ اہلِ وحشت اور ذاتِ اہلِ وحشت کو
بہم پیچیدہ و دستِ دگریباں کر دیا تُو نے

جراحت کو عطا کر کے شعارِ بخیہ و مرہم
خزاں کو ضامنِ رنگِ بہاراں کر دیا تُو نے

جو دھندلا ہو چلا پہلا ورق منشورِ فطرت کا
تو اپنے خونِ دل کو زیبِ عنواں کر دیا تُو نے

بجھی جب شمعِ جاں تو زیرِ موجِ دودِ پرافشاں
حقائق کو چراغِ زیرِ داماں کر دیا تُو نے

بنا کر شمعِ طور اپنے لہو کے گرم قطروں کو
دیارِ ذہنِ عام میں چراغاں کر دیا تُو نے

بقا کے آسماں پر اک صباحِ نو دمک اٹھی
زمیں پر چاک جب اپنا گریباں کر دیا تُو نے

رہے گا یہ ترا احسان سرِ کارِ مشیت پر
کہ اے ابنِ علیؑ انساں کو انساں کر دیا تُو نے

کماں بے نوا کس طرح کرتے فرقِ سلطاں پر
بنی آدم کی اس مشکل کو آساں کر دیا تُو نے

بنا کر بات، پیغمبر کو بھی پیغمبری بخشی
چھڑک کر خون پھر قرآں کو قرآں کر دیا تُو نے

نظر اٹھتی ہے سوئے جوشؔ تو حیرت یہ ہوتی ہے
کہ اس کافر کو اے مولا مسلماں کر دیا تُو نے

کر چکا سیر، اصل مرکز پر اب آنا چاہیے
اس زمیں پر اک نئی بستی بسانا چاہیے

پڑ چکے ہیں سیکڑوں روحِ شہادت پر حجاب
مومنو! اب ان حجابوں کو اٹھانا چاہیے

استعاروں میں بیاں کرنے کے دن باقی نہیں
داستاں، صاف لفظوں میں سنانا چاہیے

یہ جھجک اچھی نہیں اے سوگوارانِ حسینؑ
باندھ کر سر سے کفن میداں میں آنا چاہیے

آنچ جب آنے لگے حق پر تو بہرِ زندگی
موت کو بڑھ کر کلیجے سے لگانا چاہیے

تیغ کے دامن کی جب آنے لگے رن سے ہوا
مرد کو انگڑائی لے کر مسکرانا چاہیے

تیری پابوسی کو خم ہے کب سے پشتِ آسماں
اے مسلماں! خاک سے اب سر اٹھانا چاہیے

یوں ابھرنے سے رہا نقشِ حیاتِ جاوداں
زندگی پر خون کی مہریں لگانا چاہیے

آفریں اے ہمتِ مردانۂ ابنِ رسولؐ
صاحبِ غیرت کو یونہیں موت آنا چاہیے

بسترِ احمدؐ شبِ ہجرت یہ دیتا ہے صدا
اے علیؑ! مردوں کو یونہی نیند آنا چاہیے

کچھ سنا کیا کہہ رہا ہے جوشؔ، اکبرؑ کا شباب؟
مینہ میں تیروں کے جوانی کو نہانا چاہیے

طبع میں کیا تیغِ بُراں میں روانی چاہیے	گُل فشانی تا کجا، اب خوں فشانی چاہیے
بستۂ زنجیرِ محکومی! خبر بھی ہے تجھے	مہر و مہ پر تجھکو عزمِ حکمرانی چاہیے
مرقدِ شہزادۂ اکبرؑ سے آتی ہے صدا	حق پہ جو مٹ جائے، ایسی نوجوانی چاہیے
شاہ فرماتے ہیں "جائے جا خدا کے نام پر"	موت جب کہتی ہے "اکبرؑ کی جوانی چاہیے"
دُشمنوں کے حس کا نام نبضیں چھوٹ جائیں موت کی	دین کے ساونت کو وہ زندگانی چاہیے
عمرِ فانی سے تو برگِ کاہ تک ہے بہرہ مند	مرد کو ذوقِ حیاتِ جاودانی چاہیے
کون بڑھتا ہے لہو تھوڑا سا دینے کیلئے	اے عزیزو! دین کی کھیتی کو پانی چاہیے
جن کے سینوں میں ہو سوزِ تشنگانِ کربلا	ان جواں مردوں کی تلواروں میں پانی چاہیے

جوشؔ! ذکرِ جراٗتِ مولا پہ شیون کے عوض

رُخ پہ شانِ فخر و نازِ کامرانی چاہیے

* * *

مرتبہ: ضمیر اختر نقوی

سخن ہوتا نہ کبھی طرزِ سخن کی بنیاد
ہوتا نہ کبھی گلوں میں سازِ ارشاد
خوبانِ معانی پہ چھری چل جاتی
انسان اگر الفاظ نہ کرتا ایجاد

کاشفِ سر، کعبۂ یقیں، قاضئ دہر، قبلۂ دوراں، قوامِ دیں، منشائے عصر، معنئ کُن، میرِ عالمین، رسولِ تمدنِ الہٰ علم، محورِ دل محیطِ صدق، آبشارِ حقائق، بادشاہِ حق، تاجدارِ معارف، خدیوِ علم، شہریارِ تفکّر، مہرِ ادب، مفسّرِ آیاتِ دل نشیں، نقّادِ فن، مصورِ اشکالِ ماؤطین، میرِ دماغ، مصدرِ یقیں، دستورِ حق، مبصرِ دنیا، فقیہِ دیں، نباضِ شرع، زورقِ جیحونِ زندگی خاقانِ دہر، واضعِ قانونِ زندگی، آسمانِ رشد، ابد کے نور، ساقئ کوثر آفتابِ امامت، حلّالِ مشکلاتِ رسالت، میرِ نظامِ شمسئ قدرت، دارائے کاروبارِ مشیّت، آیۂ صدق وصفا، دلیلِ وجودِ خُدا، رہبرِ حُجۃ، ہادئ نیکو، عرفاں کا شکوہ، رسالت کی آبرو، مدبّرِ دارالقضائے ہو، بندہ یزداں مزاج، رسولؐ کی دعا، مولائے کائنات۔

جنابِ فاطمہؑ

فاطمہ، زہرا، بتول، بنتِ پیغمبر۔

امام حسنؑ

جوشؔ نے امام حسنؑ کا تذکرہ تین مقامات پر کیا ہے:- امام حسینؑ فرماتے ہیں:-

فرماتے تھے سب قتل ہوئے مہر کے بانی
قاسمؑ کہ تھا سم خوردہ برادر کی نشانی
(آوازۂ حق)

ختمی مرتبت ؐ کی مدح میں ایک شعر:

آئینہ تیرے خلق کا طبعِ حسنؓ کی سادگی
جذبہ تیرے عروج کا آلِ عبا کی برتری (شمع ہدایت)

جھکی فرازِ حق پہ وہ سبطین کی جبیں
پردے اٹھا وہ ناصیۂ ختمِ مرسلین (طلوعِ فکر)

حضرت امام حسینؑ

حسین ابنِ علی، بہادر، جانِ سیاست، ایمانِ تدبیر، شاہ، محمد کا نواسا، امام دوسرا، ابنِ رسول، مولا، شمعِ یزدانی، شبیر، امام، دولہا شجاعانِ عرب، ابنِ بوتراب، شہ ابرار، شاہِ ذی حشم، سیدِ ابرار، سورما، حضرت، شہِ والا، صاحبِ مزاجِ نبوت، مظلوم، گیسوؤں والے، اسلام کا دل، وارثِ ضمیرِ رسالت، شاہدِ قدرت، وجودِ فخرِ مشیت، نشانِ تشنہ دہانی، امیرِ خلدِ جوانی، بانیٔ سنِ جدید، رہبرِ کاروانِ عزم، پیمبرِ دینِ تازہ، کربلا کا داورِ محشر، روحِ انقلاب کا پروردگار، منارۂ عظمت، دلیلِ شرافتِ آدم، ذبحِ عظیم، کردگارِ امن، پیغمبرِ جہاد، مردِ سرفروش، حرّی، زار و نزار، تشنہ و مجروح، ناتواں، مہمانِ عرصۂ بے نور، شمعِ حلقۂ شبِ عاشور، ساحلِ فرات کے پیاسے، بیکس و ناچار، کشتگانِ عشق کے سردار، ہادیٔ غیور، تاریخ کا غرور، رہبرِ انام، حق نواز، امیرِ نبوت بدوشِ امام، آسمانِ درسِ عمل کے مہِ تمام، [illegible]، رشکِ شہ قرن، آبروئے سلسبیل، جانشینِ حیدرِ کرار،

فخر اسمٰعیل، جانِ مصطفٰےؐ، قبلۂ عالم، امام عصر، امیرِ بے عدیل،
اعتبارِ موجِ کوثر، نازِ خلیل، محورِ گیتی وگردوں، مرکزِ دنیا ودیں،
مہبطِ آوازِ حق، مخدومِ جبریلِ امیں، شاہِ اربابِ حوادث،
شارعِ دینِ وفا، مخزنِ جنسِ ہدایت، مصدرِ صدق وصفا، کشتۂ حق،
صاحبِ امر قدر، سلطانِ آئینِ قضا، شاہِ گل پیرہن،
شہزادۂ رنگیں قبا، کردگارِ عصرِ عرفاں، شہریارِ زندگی، فاتحِ مرگ
، فتحِ رزِ زندگی، ماہِ ایماں، راہِ عرفاں، شاہِ احساں، جاہِ دیں،
شانِ حق، آنِ کرم، جانِ صفا، کانِ یقیں، پورِ حیدر،
صورِ ہیجاں، نورِ جاں، طورِ مبیں، آیۂ ایقاں، تابِ فلک،
بابِ ضو، دابِ زمیں، اوجِ بامِ دل نوازی، موجِ بحرِ التفات،
بدرِ چرخِ سرفروش، صدرِ بزمِ کائنات، عالمِ اسرارِ عام،
عارفِ ذات وصفات، ناظمِ شہرِ ثقافت، ناشرِ اخلاقیات
ناصرِ حق، پیکرِ آئین، دستورِ نجات، نازشِ تاریخ، میرِ وقت،
دارائے حیات، حرفِ دیں، نطقِ مبیں، درسِ عمل، فخرِ ملل
مطلعِ مہرِ شہادت، مشرقِ ماہِ شہود، موجِ صعود، معراجِ بشر
مصلحِ اوضاعِ ہستی، معنیٔ حرفِ وجود، منزلِ اشراق، عنبرِ الطاف
محرابِ کرم، میزانِ جود، مظہرِ حسنِ عمل، شمعِ حریمِ حیدری،
مورثِ اقطابِ عالم، وارثِ پیغمبری، منکسر، شبنم طبع،
خوددار، صفدر، بُردبار، صبرِ پیماں، روزِ در شبِ زندہ دار
شام گستر، تاج کوب، اورنگ سوز، شمعِ عرفاں،

ایوان شکن، سلطان شکار، اوصیا اجلال، پیغمبر حشم، ابن حیدر، یزداں وقار، آفتابِ رشد، بوستانِ مرتضیٰ، جامع ابریق وسندان صاحبِ سیف وقلم، قندیلِ اصول، مشعلِ بابِ نبوت،
کعبۂ حسنِ قبول، فردوسِ آغوشِ بتول، زینتِ اورنگِ قدرت راکبِ دوشِ رسول، مصحفِ ناطق، خسرو روحانیاں، شہ ملکِ ابد راکبِ عصرِ دواں، شہ یزداں صفات، شمعِ ایوانِ عرفاں، داتا، طرۂ تاجِ شہیداں، ذوالکلام وزندہ قرآں، سطوتِ محراب ومنبر، خسرو ناموسِ اکبر، دینِ اہلِ درد، جانِ اہلِ ماتم، مسافرِ دشتِ غربت، جانشینِ احمدِ مختار، ناخدائے کشتیٔ پیغمبر، مولائے راہِ راست، شہنشاہِ کج کلاہ، فدا وندِ کربلا، چشمہ بذل وسخی، دجلۂ جود واحسان، مصلحِ وضعِ جہاں، عزتِ نوعِ انساں، لنگرِ کشتیٔ حق، شمعِ بتولؑ، ناشرِ حکمِ یزداں، خادمِ خستہ دلاں، ہادمِ قصرِ سلطاں، داورِ ایثار، خاورِ صدق وصفا، نازشِ نوعِ بشر، فخرِ ابِ وجد، جگرِ ختمِ رسلؐ، جانِ علیؑ، خاورِ جود وکرم، داورِ اقدار واصول، خاتمِ حق کے نگیں، دینِ شہادت کے رسول، سورۂ اخلاص، پروردگارِ آدمیت، قرآنِ صداقت، منبرِ تصدیق، تکمیلِ رسالت، داورِ یومِ شہادت جلالِ مصطفےٰ، منبرِ نورِ یزداں۔

جنابِ زینبؑ (امام حسینؑ کی بہن)

بنتِ علیؑ، دخترِ بتولؑ، زینبِ دلگیر، بی بی۔

جناب عباسؑ (امام حسینؑ کے چھوٹے بھائی۔ علمدارِ لشکرِ امام حسینؑ)

عباسِ دلاور، عباسِ نامور، علم بردار، اسلام کی بھرپور جوانی، مجاہد تیغ آزما۔

امام زین العابدینؑ (علی ابن الحسینؑ، امام حسینؑ کے بڑے فرزند آپ کربلا میں علیل تھے)

عابدِ مضطر، سجّاد، عابد بیمار۔

علی اکبرؑ (امام حسینؑ کے منجھلے فرزند)

یوسف ثانی، ماہ رو، مردجاں مصطفےٰؐ، شہزادہ۔

جنابِ قاسمؑ (امام حسینؑ کے بھتیجے اور امام حسنؑ کے فرزند)

شاہزادۂ گلگوں قبا، سم خوردہ برادر کی نشانی، نوشاہ۔

جناب علی اصغرؑ (امام حسینؑ کے سب سے چھوٹے فرزند جو روزِ عاشورہ چھ ماہ کے تھے)

بے شیر، ہلالِ مصطفےٰؐ، دلِ رسالت مآب۔

ام کلثومؑ (امام حسینؑ کی بہن، جناب زینبؑ سے چھوٹی اور جعفر طیارؓ کی بہو۔

سکینہؑ (امام حسینؑ کی چھوٹی بیٹی جو واقعۂ کربلا کے وقت بہت کم سن تھیں)۔

حبیب ابن مظاہر (امام حسینؑ کے بچپن کے ساتھی)۔

آغازِ فرہنگ

الف

آدم :۔ پہلے انسان اور پیغمبر۔

ابوذر :۔ صحابیٔ رسولؐ۔ آپ کی صداقت کے گواہ آں حضرتؐ خود ہیں۔

ابراہیمؑ :۔ حضرت اسمٰعیل و اسحاق کے والد۔ جلیل القدر پیغمبر، ختمی مرتبتؐ آپ ہی کی نسل سے ہیں آپ کو خدا نے خلیل کا لقب عطا کیا ہے۔

اجرِ رسالت :۔ قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ "قُل لاَّ أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلاَّ الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى" (شوریٰ)

اُچٹ :۔ اُلٹ جانا، ہٹ جانا۔

اَرغنون :۔ ایک قسم کا باجا جسے یونان کے مشہور فلسفی افلاطون نے ایجاد کیا تھا اس کا نام ارگن، ارغون اور ارغن بھی ہے۔

استکبار :۔ غرور، فخر۔

اسمٰعیل :۔ حضرت ابراہیم اور جناب ہاجرہ کے فرزند۔ اللہ نے حضرت ابراہیم کو امتحاناً حضرت اسمٰعیل کی قربانی کا حکم دیا تھا پھر دُنبہ بھیج کر بچا لیا جس کی یادگار عید الاضحیٰ ہے۔

اشہد ان لا الٰہ :۔ کلمۂ شہادت کا پہلا ٹکڑا، میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی خدا نہیں سوا اللہ کے جو واحد و یکتا ہے۔

اعتکاف :۔ گوشہ نشین ہونا، اپنے کو لذّاتِ دنیاوی سے باز رکھنا، مسجد میں گوشہ نشینی کرنا، انتظار کرنا۔

اقطاب :۔ قطب کی جمع۔ وہ ولی جس پر دنیا کے انتظام اور نگہبانی کا مدار ہے۔

اُگنا :۔ اُبھرنا، نمودار ہونا۔

اگرئی :۔ اگر کے رنگ سے ملتا جلتا رنگ،

سرمئی اور صندلی رنگ کو بھی اگرئی رنگ کہتے ہیں
آلِ مصطفےٰؐ :۔ حضرت ختمی مرتبتؐ کی بیٹی اور حضرت علیؓ کی اولاد کو آلِ مصطفےٰؐ کہتے ہیں۔
الماس :۔ ہیرا، ایک طرح کا قیمتی پتھر۔
العظمتُ للّٰہ :۔ کسی چیز کی کثرت یا شدت بیان کرنے کے ساتھ بولتے ہیں ..... "توبہ! اللہ پناہ میں رکھے"۔
اِلتہاب :۔ شعلہ بھڑکنا، آگ بھڑکنا پیاس کی شدت۔
اَلوان :۔ پشمینہ، جس پر کام بناکے اکثر رومال دوشالے تیار کرتے ہیں (لون کی جمع) بہت سے رنگ، رنگارنگ۔
الوہیت :۔ خدائی شان، ربانیت۔
اُم الکتاب :۔ سورۂ فاتحہ، سورۂ الحمد۔
اَناالحق :۔ "میں خدا ہوں" اصطلاح صوفیہ میں عشقِ الٰہی کی وہ منزل جس میں انسان کو جملہ کائنات میں جلوہ ایزدی کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا اپنی ہستی میں بھی خدا ہی دکھائی دیتا ہے۔ سرزمینِ عرب کے ایک صوفی منصور حلاج نے جوشِ مستی میں یہ کلمہ کہا تھا جس کی سزا میں انہیں سولی پر چڑھا دیا گیا تھا۔
اَندک و بسیار :۔ تھوڑا اور بہت۔
انشقاق :۔ شق ہوجانا۔
اِنشراحِ صدر :۔ شرحِ صدر، آیت کی طرف اشارہ، اردو میں دل کی فرحت، دل کے کھلنے کے معنی ہیں۔
اَنیس :۔ میر ببر علی انیس، اردو کے سب سے بڑے شاعر۔
آنچ سہنا :۔ دکھ اٹھانا۔
اَنفس و آفاق :۔ تمام نفوس، تمام روحیں یا تمام انسان اور ساری کائنات۔
اوزکنا :۔ قے کرنا۔
آوازِ بلال :۔ بلال کی خوبصورت آواز یا اذان۔
اویس قرنی :۔ آنحضرتؐ کے مشہور صحابی۔
اَہرمن :۔ دیو، بھوت، شیطان، مجوس کہتے ہیں "اہرمن" بدی کا اور "یزداں" نیکی کا خدا ہے۔
اینٹھنا :۔ غرور، اکڑنا، انگڑائی۔
اَیّوبؑ :۔ وہ پیغمبر جو مصائب و آفات پر صبر

کے لئے مشہور ہیں۔

ب

بادلا:۔ ایک قسم کا کپڑا جو ریشم اور چاندی کے تاروں سے بُنا جاتا ہے۔

باگیسری:۔ ایک راگنی کا نام، کافی ٹھاٹھ کی راگنی ہے "میگھ ملہار" سے قریب تر ہے۔

بانک:۔ بل دار چوڑیاں، چھُری اور کٹار۔

بہتّر ۷۲ شہید:۔ واقعۂ کربلا میں امام حسینؑ کے ساتھ ۷۲ ساتھی شہید ہوئے۔ اُن میں اٹھارہؔ بنی ہاشم، پچاس انصار اور حرؔ (سردار فوجِ یزید) اس کا بھائی، بیٹا اور غلام۔

بدر:۔ اسلام کی پہلی دفاعی جنگ۔

بربط:۔ ایک باجے کا نام، اسس کو "عود" بھی کہتے ہیں۔

برنائی:۔ جوانی۔

بزمِ ساحری:۔ فرعون کا دربار، ساحری کی صحبت۔

بطحا:۔ سرزمین مکہ جہاں آنحضرتؐ پیدا ہوئے

بُلاق:۔ ناک کا ایک زیور۔

بُندے:۔ کان کی لو میں پہننے کا ایک زیور۔

بنفشہ:۔ ایک مشہور بُوٹی جو برفانی پہاڑوں پر یا لبِ دریا پیدا ہوتی ہے۔ گل بنفشہ کی مناسبت سے اہل لکھنؤ اس کو مذکر بولتے ہیں۔

بنِ قطبہ:۔ فوجِ یزید کا ایک پہلوان۔

بور:۔ آم کا پھول۔ بمعنی "بور"

بھنچنا:۔ دب جانا۔

بھانپنا:۔ تاڑنا، چہرے سے پہچاننا۔

بھنبھوڑنا:۔ دانتوں سے نوچ نوچ کر کھانا۔

بھُوبل:۔ جلتی ہوئی راکھ یا خاک۔

بھیرویں:۔ ایک راگنی کا نام جو زیادہ تر صبح کو گائی جاتی ہے اس کا راگ ٹھاٹھ بھی بھیرویں ہے۔

بین:۔ ایک مشہور باجا جو زیادہ تر سپیرے بجاتے ہیں۔

بیونتنا:۔ "کپڑا قطع کرنا"۔ عورتوں کی زبان میں۔

پ

پاپا:۔ پادری، عیسائیوں کا مذہبی پیشوا۔

پازیب:۔ پیروں کا زیور جس میں گھنگرو
لگے ہوتے ہیں۔
پرِ جبریل:۔ جنگِ خیبر میں حضرت علیؓ کے
وار کو جبریل نے اپنے "پر" کے سہارے روک
لیا تھا تاکہ زمین تک ضرب نہ پہونچ سکے جب
سے "پرِ جبریل" تلمیح کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔
پرنیاں:۔ ایک قسم کا پھول دار ریشمی کپڑا۔
پرخچے اُڑنا:۔ ٹکڑے یا پرزے اُڑنا۔
پسلی پھڑکنا:۔ خود بخود کسی بات کی خبر ہو جانا۔
پستئی:۔ سبز، پستے کے رنگ کا۔
پلّو:۔ آنچل۔
پل پڑنا:۔ دفعتاً بہت سے لوگوں کا بل کر
ٹوٹ پڑنا۔
پلنگ:۔ چیتا۔
پنجتنِ پاکؑ:۔ رسولِ مقبولؐ، حضرت علیؓ
حضرت فاطمہؓ، امام حسنؓ اور امام حسینؓ
اسلام کی پانچ متبرک ہستیاں۔
پنڈا:۔ جسم۔
پو پھٹنا:۔ سپیدۂ سحر ظاہر ہونا۔
پور پور چٹخانا:۔ انگلیوں کے جوڑ جوڑ چٹخانا

پھبن:۔ خوبصورتی۔
پھبکتے ہوئے بدن:۔ خوبصورت جسم۔
پھول بَن:۔ پھولوں کا باغ۔
پھول والوں کی گلی:۔ لکھنؤ کی ایک مشہور
گلی جو چوک میں واقع ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دہلی
کے میلہ کی طرف اشارہ ہو جو برسات کے موسم
میں پھول والوں کی طرف سے ہوتا ہے۔
پھولوں کا گہنا:۔ پھولوں کا بنا ہوا زیور،
سہرا، بدھی اور طرّہ، دلہن کے لئے لکھنؤ میں
خاص طور سے پھولوں کا گہنا بنایا جاتا ہے جس
میں ہر طرح کا زیور ہوتا ہے۔
پینگ:۔ جھولے کی رسّی، تیز جھولا جھولنا۔
پیراہنِ یوسفؑ:۔ یوسفؑ کا کرتہ جس کو
سونگھتے ہی جناب یعقوبؑ کی آنکھوں کی بصارت
پلٹ آئی تھی۔

ت

تان اُڑانا:۔ گانا، الاپنا۔
تپکنا:۔ زخم میں ٹیس اُٹھنا، ہولیں اُٹھنا۔
ترسندگی:۔ ڈرنا۔

تَنَعُّم :۔ ناز و نعم سے زندگی بسر کرنا۔
تَبَختُر :۔ اترا کر چلنا، ناز و انداز، تکبّر۔
تیہا :۔ غصّہ۔

ج

جَتَن :۔ کوشش، تدبیر، بندوبست۔
جرأتِ سقراط :۔ یونان کے مشہور فلسفی سقراط نے جب یونانی دیوتاؤں کی تضحیک کی تو اس جُرم میں اُسے زہر کا پیالہ پینے پر مجبور کر دیا گیا تھا اُسنے جُرأت کا ثبوت دیا، اور وہ زہر پی لیا۔
جل ترنگ :۔ ایک طرح کا ساز جو پیالوں میں پانی بھر کر تیلیوں سے بجایا جاتا ہے۔
جمنا :۔ ہندوستان کا مشہور دریا جو دہلی، آگرہ الہ آباد اور مظفر وغیرہ میں بہتا ہے۔
جوت جگانا :۔ چراغ روشن کرنا
جولاں کرنا :۔ کودانا، دوڑانا، گھوڑا دوڑانا۔
جھولا :۔ حضرت علی اصغرؑ کا گہوارہ۔
جھُٹ پُٹا :۔ دونوں وقت ملنے کا سماں۔
جھلملی :۔ چلمن۔
جھمکنا :۔ جھلک دکھانا، چمکنا۔
جھن جھنانا :۔ ستار کے تار بجنا، گھنگرو کی آواز
جھُومر :۔ ماتھے کا زیور جس کی شکل چاند جیسی ہوتی ہے۔
جیٹھ :۔ مہینے کا نام جس میں سخت گرمی پڑتی ہے۔

چ

چادرِ زینبؑ :۔ جناب زینبؑ کی چادر جو کربلا میں فوجِ یزید چھین کر لے گئی تھی اور رسولؐ کی نواسی کو بے پردہ کر دیا گیا تھا۔
چاندنی :۔ ایک قسم کا سفید پھول جو رات کو کھلتا ہے۔
چُگنا :۔ پرندوں کا اپنی چونچ سے دانا اُٹھا کر کھانا۔
چمپا :۔ زرد رنگ کا پھول جس میں ہلکی سفیدی بھی ہوتی ہے۔ بسنتی پھول۔
چمپا کلی :۔ گلے کا زیور جس کے دانے چمپا کے پھول سے مشابہ ہوتے ہیں۔
چمپئی :۔ ہلکے پیلے رنگ کو کہتے ہیں، چمپا کے پھول کا رنگ۔

چنار :- ایک درخت جس کی پتیاں سُرخ اور پنجۂ انسان کے مشابہ ہوتی ہیں، دور سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے درخت میں آگ لگی ہوئی ہے۔

چمنی :- کارخانوں کا دھواں باہر نکالنے والی نلی۔

چنگ :- ایک مشہور باجہ کا نام جو ستار کی طرح ہوتا ہے۔

چھاجوں برسنا :- کثرت سے بارش ہونا۔

چھڑا :- پاؤں کا زیور جسے لچھے بھی کہتے ہیں یہ کڑے کے ساتھ پہنا جاتا ہے۔

چھاگل :- پیروں کا زیور جو چوڑی چوڑی کی طرح منقش ہوتا ہے اور نیچے گھنگرو لگے ہوتے ہیں

چھینی :- لوہے کا وہ اوزار جس سے پتھر وغیرہ کاٹے جاتے ہیں یا پتھر پر نقش ونگار بنانے کے کام آتی ہے۔

ح

حافظ :- فارسی کے مشہور شاعر حافظ شیرازی

حبلِ متیں :- مضبوط رسّی، محکم وسیلہ معتبر ذریعہ۔

حُدوث وقِدم :- حدوث یعنی عدم سے وجود میں آنا اور قِدم یعنی ہمیشہ ہمیشہ رہنا۔

حرفِ کُن :- بمعنیٰ "ہوجا" خدا کے اس حکم کی طرف اشارہ ہے جو روزِ ازل میں موجودات کے پیدا ہونے کے وقت ہوا تھا۔

حشمِ قیصری :- رُوم کے بادشاہوں جیسی شان وشوکت۔

حق ثمرہٗ :- اللہ کی ذات حق ہے۔

حمزہ :- آنحضرتؐ کے چچا، عرب کے مشہور بہادر، علمدارِ لشکرِ اسلام جو جنگِ اُحد میں شہید ہوئے۔

حُنین :- اسلام کی آخری دفاعی جنگ جسے حضرت علیؓ نے فتح کیا تھا اس لئے حضرت علیؓ کو فاتح حُنین بھی کہتے ہیں۔

خ

خَرگاہ :- بہت بڑا خیمہ، خیمۂ شاہی۔

خُراسان :- ایران کا صوبہ جہاں امام علی رضا

علیہ السلام کا روضۂ مبارک ہے۔

خسروؔ:- امیر خسروؔ ہندی اور فارسی کے مشہور شاعر کا تخلص۔

خِضر:- ایک پیغمبر جو زندہ ہیں۔ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے خضر کے معنی سبز ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ جدھر سے گزرتے ہیں وہ زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔

خانقہ:- (خانقاہ) درویشوں اور مشائخ کے رہنے کی جگہ۔

خیامؔ:- فارسی کے مشہور شاعر کا تخلص۔

خیبر:- اسلام کی مشہور جنگ جس میں یہودیوں کو زبردست شکست ہوئی اور حضرت علیؓ نے یہودیوں کے مشہور پہلوان مرحبؔ کو قتل کیا۔

د

داؤدؑ:- زبور آپ پر نازل ہوئی تھی آپ پیغمبر اور بادشاہ بھی تھے۔ آپ کا لحن مشہور ہے۔

دَجلہ:- عراق کا مشہور دریا۔

دُرّاج:- تیتر۔

دَرکنا:- بال پڑ جانا۔

دڑیڑے:- زور کا مینہ (بارش) دریا کا زوردار بہاؤ۔

دُشنہ:- خنجر، کٹاری۔

دَف:- نام ایک باجے کا جو ڈھول کی طرح ہوتا ہے۔

دُلائی:- روئی کے بغیر دوہری رضائی۔

دوشالا:- پشمینے کی چادروں کا جوڑا جن کے کنارے پر زردوزی کا کام بنا ہوتا ہے۔

دونگڑے:- برسات کے شروع کی بارش جو زور و شور سے ہو۔

دھاوا:- یک بیک حملہ۔

دیپک:- ایک راگ جس کے اثر سے کہتے ہیں بجھے چراغ جل اٹھتے ہیں، پوربی ٹھاٹھ کا راگ ہے۔

ڈ

ڈولنا:- چلنا، حرکت کرنا، ڈگمگانا، کشتی اور جہاز کی چال۔

ذ

ذوالفقار:۔ وہ تلوار جو جنگ اُحد میں حضرت علیؑ کیلئے آسمان سے نازل ہوئی تھی

ر

رباب : ایک قسم کی سارنگی۔

ربانہ :۔ ایک قسم کی دف۔

رَبُودگی :۔ غفلت جو بیمار کو ہوا کرتی ہے۔

رَت جگا :۔ خوشی یا عبادت میں رات بھر جاگنا، شادی سے پہلے کی ایک رسم۔

رسمسانا :۔ پانی یا پسینے سے تر ہونا۔

رطلِ گراں :۔ بڑا پیمانہ

رقیق :۔ نرم، پانی سا۔

رُوپ مالا :۔ ہندوؤں کی کتاب "وید" کی ایک مخصوص عبارت۔

رُوپ بھرنا :۔ خوبصورت بن کر ظاہر ہونا فریب دینا۔

رولنا :۔ پرونا

رُومیؔ :۔ فارسی کے مشہور شاعر۔

روندنا :۔ پامال کرنا، پیروں سے کچلنا۔

ریحان :۔ روئیدگی، سبزہ، نازبو جو ایک قسم کا پھول ہے۔

ز

زربفت :۔ کمخواب، زری، دیبا، (کپڑے کا نام)۔

زم ہریر :۔ سخت سردی، کرۂ ہوا کا وہ طبقہ جو نہایت سرد ہے۔

زیر و بم :۔ نیچا اونچا سُر۔

زندیق :۔ بے دین، وہ شخص جو وحدت کا قائل نہو۔

س

سَاتگیں :۔ شراب کا بڑا پیالہ۔

سارنگ :۔ ایک ساز کا نام اور ایک راگ کا بھی نام ہے، دیپک کی ایک رگنی۔

سارنگی :۔ ستار کی طرح کا ایک ساز۔

سامرا :۔ عراق کا ایک شہر جہاں حضرت امام حسن عسکریؑ اور امام علی نقی علیہ السلام کا مزارِ مقدس ہے۔

سان چڑھنا :۔ چھری پر دھار رکھنا۔

سبطین :۔ امام حسنؓ اور امام حسینؓ
ست :۔ جوہر (جیسے لیموں کا ست)
ستار :۔ ایک مشہور ساز مرکب سہ تار۔
سجین :۔ دوزخ کا ایک سخت ترین مقام۔
سُرمئی :۔ نیلا سُرخی مائل رنگ۔
سَردئی :۔ گہرا سبز زردی مائل رنگ۔
سرود :۔ ایک قسم کا باجا، گیت، نغمہ، راگ۔
سعدیؔ :۔ فارسی کے مشہور شاعر۔
سلیمانؑ :۔ وہ پیغمبر جن کو پروردگارِ عالم نے ان کی دعا کے مطابق ایسی سلطنت عطا کی تھی جو کسی بادشاہ کو نہ کبھی نصیب ہوئی نہ ہوگی تمام جن وانس، چرند، پرند ہوا اور پانی آپ کے تابع فرمان تھے۔
سورجی :۔ سُرخ رنگ کا ایک پھول۔
سوسن :۔ ایک آسمانی رنگ کا پھول۔
سوندنا :۔ سانتنا۔ (آپس میں ملانا)
سوہنی :۔ مدردا ٹھاٹھ کی ایک مشہور راگنی
سیال :۔ رواں، بہنے والی، لچک دار۔
سلوٹیں کھلنا :۔ شکن کھلنا۔

ش

شامِ غریباں :۔ ۱۰ محرم کی شام، اداس ترین شام، بیکسوں اور مظلوموں کی شام۔
شقائق :۔ لالہ کے پھول۔ اس کا مفرد، اور جمع بھی یہی ہے۔
شلوکہ :۔ ایک قسم کی صدری جو کمر تک ہوتی ہے اور آستین کہنی تک سامنے کے دونوں حصوں پر کاج اور بٹن ہوتے ہیں۔
شمشاد :۔ سرو کی طرح کا دراز قد ایک درخت۔
شنگی :۔ شوخی (شوخ وشنگ)
شہنائی :۔ ایک مشہور ساز جسے نفیری اور قرنا بھی کہتے ہیں اس کی آواز بہت درد بھری ہوتی ہے۔
شہود :۔ جیسے۔
شیخ وشاب :۔ بوڑھے اور جوان سب لوگ

ص

صباح :۔ تڑکا، سویرا۔
صبیح :۔ خوبصورت، گورا چٹّا، ملیح کا مقابل۔
صعود :۔ بلندی، بلندی پر چڑھنے والا۔
صنوبر :۔ ایک قسم کا سرو جو نہایت سیدھا قدر کھتا ہے۔

ط

طاؤس :۔ ایک مشہور پرندہ (مور) مشہور ایرانی ساز۔
طمطراق :۔ کرّ و فر، شان، تجمّل۔
طنبورہ :۔ مشہور ساز جو ستار کی طرح ہوتا ہے۔
طور :۔ ایک پہاڑی کا نام جہاں حضرت موسیٰؑ خدا سے ہمکلام ہوا کرتے تھے۔

ع

عبیر اڑنا :۔ (اصل لفظ ابیر ہے اور ہندی ہے) ایک طرح کی خشک خوشبو جو مشک صندل، گلاب اور زعفران ملا کر بناتے ہیں ابرک کا بُرادہ جس میں گلال ملا کر ہندو ہولی میں ایک دوسرے پر اڑاتے ہیں ایک طرح کا رنگ ہوتا ہے اس لئے فضا میں رنگ ہی رنگ نظر آتے ہیں۔
علّیین :۔ بہشت کی اونچی کھڑکیاں، بہشت کے بلند مکان، (اسم مفرد بمعنیٰ بہشت بھی ہے)۔
عود :۔ ایک ساز جسے بربط بھی کہتے ہیں۔
عیش و تنعّم :۔ عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنا۔

غ

غالب :۔ مرزا اسداللہ خاں غالب، شاعر آفاق اردو اور فارسی کے عظیم شاعر۔
غدیر خم :۔ وہ میدان جہاں حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان رسولِ اکرمؐ نے حج آخر سے واپسی میں کیا تھا۔ اسی روز دین کامل ہوا تھا۔
غلمان :۔ بہشت میں ایک مخلوق بصورت چھوٹے لڑکوں کے جو اہلِ جنّت کی خدمت

میں رہیں گے۔

ف

فردوسی :- فارسی کا مشہور شاعر کا تخلص جس نے "شاہنامہ" لکھا تھا۔

فرِ کیانی :- شان و شوکت، دبدبہ، کیانیوں کی جیسی شان، ایران کے قدیم بادشاہوں یعنی کیکاؤس، کیقباد، کیخسرو وغیرہ کی شان و شوکت اور دبدبہ۔

ق

قُدسی :- فرشتے، نیک بندے، اولیاء اللہ۔

قرطاس و قلم :- اشارہ ہے واقعہ قرطاس و قلم کی طرف، حضورِ اکرمؐ نے انتقال سے پہلے قلم اور کاغذ مانگا تھا کچھ لکھنے کیلئے جو وقتِ آخر انہیں نہیں دیا گیا۔

قرنا :- میدانِ جنگ کا ایک باجا۔

قشقہ :- تلک، ٹیکہ، صندل کا تلک جو ہندو ماتھے پر لگاتے ہیں۔

قُل قُل :- شیشے یا صراحی کے گلے سے پانی یا شراب کے گرنے کی آواز۔

قنبر :- حضرت علیؑ کے غلام کا نام جسے بعد میں محبتِ علیؑ میں شہید کیا گیا۔

ک

کاشی :- ہندوستان کے شہر بنارس کا پرانا نام جہاں کی صبح بہت مشہور ہے۔

کاظمین :- عراق کے شہر بغداد میں جہاں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور امام محمد تقی علیہ السلام کا مزار ہے اس جگہ کا نام۔

کاگ اڑنا :- تیز اور تند شراب یا کسی اور چیز کے بوتل کا کاگ (ڈاٹ) کا خود بخود کھل جانا۔

کبک :- چکور، اس کی رفتار مشہور ہے۔

کتھئی :- کتھے کے رنگ جیسا رنگ۔

کجری :- برسات کے ہندی گیت۔

کجلانا :- سانولا ہو جانا، آگ کا بجھ جانا۔

کدال :- زمین کھودنے کا ایک اوزار۔

کربلا :- عراق کا وہ شہر جو قریہ تھا جہاں امام حسینؑ شہید کئے گئے تھے وہیں آپ کا

روضۂ مبارک ہے۔
کرگس :۔ ایک پرند جس کو ہندی میں
گدھ کہتے ہیں۔
کسوتِ شاہی :۔ شاہی لباس۔
کعبہ :۔ خدا کا گھر جہاں ہر سال ہزاروں
انسان اس گھر کا طواف کرتے ہیں حضرت علیؑ
اسی گھر میں پیدا ہوئے تھے۔
کنشت :۔ آتشکدہ۔
کانٹے پر تُلنا :۔ نہایت مہنگا ہونا۔
کنگن :۔ ہاتھ کا خوبصورت زیور۔
کنعان :۔ شام کے ایک شہر کا نام جہاں
حضرت یعقوبؑ رہا کرتے تھے، حضرت یوسفؑ
یہیں پیدا ہوئے تھے اس لئے اس نام کا
استعمال آپکے نام کے ساتھ ہوتا ہے۔
کُن مُنانا :۔ بے چین ہونا، سوتے میں
اس طرح حرکت کرنا جیسے اٹھنے کو ہے۔
کومل :۔ نرم۔
کُوک بھرنا :۔ گھڑی میں کنجی دینا (چابی)
کوندا :۔ بے کڑک کی چمک، بجلی کی چمک
کھرچنا :۔ چھیلنا، کریدنا۔

گ

گاگر :۔ تانبے، پیتل یا مٹی کا گھڑا۔
گَت :۔ سرگم جس سے رقص اور ساز کے
بجانے کا اندازہ ہوتا ہے، کسی باجے پر سرگم
بجانا۔ سارنگی یا ستار کی لے چھیڑنا۔
گجر :۔ گھنٹا بجنے کی آواز اور گھنٹے
کو بھی گجر کہتے ہیں۔
گلاب :۔ ایک خوشبودار پھول جس کے
مختلف رنگ ہوتے ہیں جیسے سُرخ، گلابی،
سفید، زرد، کالا۔
گلبانگ جبریل :۔ جبریل کے اذان
کی آواز۔
گلِ داؤدی :۔ ایک زرد اور سفید
رنگ کا پھول۔
گل کترنا :۔ کوئی انوکھی بات کرنا، سبقت
لے جانا۔
گُلال برسنا :۔ مختلف رنگ جو ہولی
میں ہوتے ہیں۔
گیتا :۔ ہندوؤں کی مشہور مذہبی کتاب۔

ل

لاجونتی :- چھوئی موئی کا پودا۔
لاجورد :- ایک چمکدار آسمانی رنگ کا پتھر۔
لالہ :- سرخ رنگ کا پھول جس کے درمیان ایک سیاہ داغ ہوتا ہے۔
لنگ :- ترنگ۔

م

ماکول :- کھایا ہوا، کھانے کی چیز۔
مانجھے کا اُبٹن :- شادی سے قبل چند دنوں کے لئے دلہن کو زرد کپڑے پہنا کر ایک جگہ بٹھا دیتے ہیں اور بیسن کے آٹے میں مسالے ملا کر جسم پر ملتے ہیں جس سے جسم صاف اور خوشبودار ہو جاتا ہے۔
ماؤ طین :- مٹی اور پانی (حدیث کی طرف اشارہ ہے۔
مدھ ماتی :- (مدھومتی) شہد جیسی میٹھی۔
مدھ بھری :- مستی سے بھری ہوئی۔
مراق :- مالیخولیا (بیماری کا نام)
مُرتد :- کافر۔
مرجان :- مونگا، سُرخ رنگ کا سمندری موتی۔
مرحب و عنتر :- خیبر کے دو پہلوان جو حضرت علیؓ کے ہاتھ سے جنگِ خیبر میں مارے گئے۔
مَرغزار :- سبزہ زار۔
مُرکیاں :- لچک کر کسی طرف جھکنا اور مڑنا۔
مروارید :- موتی۔
مسامات :- بدن کے باریک سوراخ جن میں سے پسینہ نکلتا ہے۔
مشموم :- خوشبو۔
موتیا :- بیلا، خوشبودار سفید رنگ کا پھول۔
مودّت :- اہل بیتؑ رسولؐ سے دوستی اور محبت۔
موسیٰؑ :- صاحبِ کتاب پیغمبر، آپ کی کتاب کا نام توریت ہے۔ کوہِ طور پر خدا سے باتیں کرتے تھے۔
مومن :- دہلی کے مشہور غزل گو شاعر

مومن خاں مومن

میرؔ:۔ اردو غزل کے سب سے بڑے شاعر میر تقی میرؔ۔

ن

ناوک:۔ تیر، خدنگ۔

ناہید:۔ ایک ستارے کا نام، مطربۂ فلک، زہرہ۔

ناقوس:۔ سنکھ، ہندو پوجا کے وقت بجاتے ہیں۔

نانِ شعیرِ حیدری:۔ حضرت علیؑ کی جَو کی روٹی وہی آپ کی غذا تھی اس کے باوجود درِ خیبر اُکھاڑ دیا تھا اس لئے وہ روٹی آپ کی شجاعت کا ایک سمبل ہے۔

نجف:۔ عراق کا ایک شہر جہاں حضرت علیؑ کا روضۂ مبارک ہے۔ یہ شہر سب سے بڑا علمی مرکز ہے۔

نِربت:۔ رقص میں بھاؤ بتانا۔

نسترن:۔ سیوتی کا سفید خوشبودار پھول۔

نسرین:۔ ایک قسم کا سفید پھول۔

نُطق:۔ بولنے کی طاقت، قوتِ گویائی۔

نُقرئی:۔ چاندی جیسا رنگ، سفید چمکدار۔

نل دمن:۔ چندر ونشی راجہ ویر سین کا بیٹا جس کا نام نَل تھا، راجہ بھیم کی بیٹی، دمینتی "دمن" کے نام سے مشہور ہے اس لئے دونوں کو "نل دمن" کہتے ہیں۔

نِندایا:۔ نیند طاری ہونا۔

نوحؑ:۔ پیغمبر۔ آپ کے عہد میں خدا کے حکم سے سخت طوفان آیا جس میں تمام دنیا تباہ ہو گئی آپ نے ایک کشتی بنائی اور قوم کے لوگوں کو آواز دی کہ جو اس کشتی پر آ جائے گا نجات پائے گا یہ کشتی کوہِ جودی پر جا کر ٹھہر گئی اس کے بعد دنیا پھر سے آباد ہوئی آپ کی عمر نو سو سال ہوئی۔ طوفانِ نوحؑ آپ ہی کی طرف اشارہ ہے۔

نیل:۔ مصر کا مشہور دریا جس میں حضرت موسیٰؑ کا تعاقب کرتے ہوئے فرعون مع اپنے لشکر کے غرق ہو گیا تھا۔

نیلم:۔ چمکدار نیلا پتھر۔

نیلوفر:- ایک قسم کا نیلے رنگ کا پھُول (کوکا بیلی)

و

واشربوا:- آیت کا ایک لفظ جس کے معنی ہیں "پیو"
وِفاق:- صلح، ہم آہنگی، نظم و نسق، مشترک، اکائی۔
وادیٔ ایمن:- کوہِ طور کے دامن میں ایک وادی کا نام جہاں حضرت موسیٰؑ کو آگ نظر آئی تھی۔
وادیٔ گنگ و جمن: ہندوستان کا وہ علاقہ جہاں سے دو مشہور دریا گنگا اور جمنا زمین کو سرسبز کرتے ہوئے گزرتے ہیں۔

ہ

ہادمِ قصرِ سُلطاں:- بادشاہوں کے محلوں کو اُجاڑنے والا یا ڈھانے والا۔
ہبُوط:- نیچے اترنا، کسی شے کی قیمت کا کم ہو جانا، پستی۔
ہزارہ:- گیندے کا زرد پھُول۔
ہلکورے:- لہریں، موجیں۔
ہُن برسنا:- کثرت سے دولت برسنا، دولت ہونا۔
ہیجان:- جوش، شدّت و غلبہ، تیزی اُبال۔

ی

یاسمن:- چنبیلی کا خوشبودار پھول اس کو یاسمین بھی کہتے ہیں۔
یاسین:- حضور اکرمؐ کا لقب اور قرآن کی ایک آیت یاسین۔
یاقوت:- ایک قسم کا قیمتی ہیرا جو اکثر سُرخ گلابی، زرد اور سفید ہوتا ہے۔
یعقوبؑ:- ایک پیغمبر جن کا گریہ مشہور ہے، اپنے فرزند یوسفؑ کے فراق میں روتے روتے آنکھیں سفید ہو گئی تھیں۔
یم بہشت:- جنّت کا دریا، جنّت کی نہر۔
یوسفؑ:- حضرت یعقوبؑ کے فرزند، وہ پیغمبر جو بہت خوبصورت تھے۔ انہیں کنوئیں میں ڈالا گیا، غلام بنا کر بازار میں بیچا گیا مصر میں الزام لگا، قید ہوئے،

مصر کے بادشاہ ہوئے، زلیخا آپ پر عاشق ہوئی۔ قرآن میں آپ کے ذکر میں سورۂ یوسفؑ موجود ہے جسے خدا نے سب سے بہترین قصہ کہا ہے۔

یونسؑ:۔ ایک نبی جن کو ایک مچھلی نے خدا کے حکم سے نگل لیا تھا چالیس دن اسکے شکم میں رہے اور جب بقدرت خدا نکلے تو زندہ تھے مگر بالکل زرد اور لاغر ہو گئے تھے۔